



بموقع: تحفظ سنت کا قیصر  
رئیس اہتمام: جمعیت علماء ہند

# امام کے پیچھے ہم مقتدی کی قرات کا حکم

قرآن، احادیث، آثارِ صحابہ و تابعین  
اور مذاہبِ فقہاء و محدثین کی روشنی میں

تالیف

حیدر الرحمن اعظمی

استاذِ حدیث دارِ العلوم دیوبند

مطبع کردہ

جمعیت علماء ہند بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی

امام کے پیچھے مقتدی کی

# قرأت کا حکم

قرآن، ایجادیت، آثارِ صحابہ و تابعین  
اور مذاہب فقہاء و محدثین کی روشنی میں

تالیف

حبیب الرحمن اعظمی

استاذِ حدیث دارالعلوم، دیوبند، سہارنپور

ناشر

جمعیتہ علماء ہند۔ ۱، بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی۔ ۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



الحمد لله رب العالمين الذي جعل العلماء ورثة النبيين  
والصلوة والسلام على سيدنا محمد خاتم الانبياء والمرسلين  
وعلى آله وصحبه ومن تبعهم اجمعين.

امام بعد: علی دنیا میں یہ بات معلوم و معروف ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ اور  
ان کے تبعین علماء و فقہا شرعی امور میں قرآن و حدیث کی جس قوت و شدت اور  
ہمہ گیری کے ساتھ پیروی کرتے ہیں وہ ملاہ فقہاء و محدثین میں ان کا ایک خاص  
امتیازی وصف ہے۔ کیوں کہ دیگر بہت سارے مجتہدین کی طرح امام ابو حنیفہ  
صرف مرفوع حدیث ہی کو حجت نہیں مانتے بلکہ وہ مرفوع احادیث کے ساتھ  
موقوف و مرسل حدیثوں کو بھی فقہی احکام و مسائل میں لائق استدلال مانتے ہیں،  
چنانچہ امام ابو حنیفہؒ نے اپنے اصول اجتہاد کو خود ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔

إِنِّي أَخَذْتُ كِتَابَ اللَّهِ إِذَا وَجَدْتُهُ، فَمَا لَمْ أَجِدْهُ فِيهِ أَخَذْتُ بِسَنَةِ رَسُولِ  
اللَّهِ وَالْأَثَرِ الصَّحَاحِ عَنْهُ التِّي فَشْتُ فِي أَيْدِي الثَّقَاتِ عَنِ الثَّقَاتِ، فَإِذَا لَمْ  
أَجِدْ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَلَا سَنَةَ رَسُولِ اللَّهِ أَخَذْتُ بِقَوْلِ أَصْحَابِهِ مِنْ شَيْءٍ وَأَدْعُ  
قَوْلَ مَنْ شَيْءٍ، ثُمَّ لَا أَخْرُجُ عَنْ قَوْلِهِمْ إِلَى قَوْلٍ غَيْرِهِمْ.

وإذا انتهى الأمر إلى إبراهيم، والشعبي، والحسن، وعطاء،

## تفصیلات

نام کتاب	:	امام کے پیچھے مقتدی کی قرأت کا حکم
تالیف	:	حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی
کپیوٹر کتابت	:	استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند
سن طباعت	:	حسینیہ کمپیوٹر سینٹر مدنی منزل دیوبند
تعداد	:	محرم الحرام ۱۴۲۲ھ مطابق مئی ۲۰۰۱ء
	:	تین ہزار

طباعت شیروانی آرٹ پرنٹرز دہلی۔ فون: 2943292

بموقع

تحفظ سنت کانفرنس

۸/۷/۲۰۰۱ء / ۲۳/۲/۲۰۰۱ء / ۲۳/۲/۲۰۰۱ء

زیر اہتمام جمعیت علماء ہند

وابن سیرین، وسعيد بن المسيب - وعدد رجالا - فقوم قد اجتهدوا  
فلى ان اجتهد كما اجتهدوا (۱)

(۱) اتفاقاً امام الحافظ ابن عبد البر مع تعلق الشيخ عبد الفتاح ابو خذوہ ص: ۲۶۳-۲۶۵

ترجمہ: میں (شرعی احکام میں) اللہ کی کتاب پر عمل کرتا ہوں جب وہ احکام مجھے کتاب الہی میں مل جائیں، اور جو احکام مجھے قرآن میں نہیں ملتے تو پھر سنت رسول اللہ اور ان صحیح آثار پر عمل کرتا ہوں جو ثقہ راویوں سے منقول ہو کر ثقہ راویوں میں پھیل چکے ہیں، اور اگر کتاب الہی اور حدیث نبوی (دونوں) میں نہیں پاتا تو آپ کے صحابہ کے اقوال میں سے جسے چاہتا ہوں لے لیتا ہوں اور جسے چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں (البتہ حضرات صحابہ کے قول سے باہر نہیں جاتا کہ) سارے صحابہ کے قول کو چھوڑ کر دوسرے کے قول کو اختیار کر لوں۔

اور جب نوبت ابراہیم نخعی، عامر شعبی، محمد بن سیرین، حسن بصری، عطاء اور سعید بن مسیب (رحمہم اللہ) وغیرہ متعدد حضرات تابعین کے نام شمار کئے) تک پہنچتی ہے تو ان حضرات نے اجتہاد کیا لہذا مجھے بھی حق ہے کہ ان حضرات کی طرح اجتہاد کروں۔ یعنی ان حضرات کے اقوال پر عمل کرنے کی پابندی نہیں کرتا بلکہ ان ائمہ مجتہدین کی طرح خدائے ذوالجلال کی بخشی ہوئی اجتہادی صلاحیتوں کو کام میں لاتا ہوں اور اپنے فکر و اجتہاد سے پیش آمدہ مسائل کو حل کرتا ہوں۔  
امام ابن حجر عسقلانی مکی امام ابو حنیفہ کا ایک قول یوں نقل کرتے ہیں۔

"لیس لاحد ان يقول برأيه مع كتاب الله تعالى ولا مع سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا ما اجمع عليه اصحابه" (خيرات الحسان، ص: ۲۷)

(۱) دروی هذا الخیر الامام الضمیری المتوفی ۵۴۳ھ فی کتاب "اخبار ابی حنیفہ واصحابه" ص: ۱۰، والامام الموفق المکی فی "مناب ابی حنیفہ" ج: ۱، ص: ۷۹، والحافظ الذہبی فی "مناب الامام ابی حنیفہ" ص: ۲۰، والحافظ الصالحی الدمشقی فی "عقود الجمال" ص: ۱۷۲، واللفظ هنا للضمیری والموفق.

کسی شخص کو کتاب الہی، سنت نبوی اور حضرات صحابہ کے اجماع کے مقابلے میں رائے زنی کا کوئی حق نہیں ہے۔

امام صاحب نے ان اقوال میں اپنے اصول اجتہاد کو واضح اور صاف لفظوں میں بیان کر دیا ہے کہ وہ رائے و اجتہاد سے اسی وقت کام لیتے ہیں جب انہیں کسی مسئلہ میں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اور حضرات صحابہ کے اقوال میں کوئی حکم نہیں ملتا۔ پھر ان اجتہادی مسائل میں بھی وہ اس درجہ احتیاط برتتے ہیں کہ حدیث ضعیف کے مقابلے میں بھی اپنے فکر و اجتہاد کو چھوڑ دیتے ہیں چنانچہ علامہ ابن القیم اپنی مشہور و گر اندر کتاب اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں۔

واصحاب ابی حنیفہ رحمہ اللہ مجمعون علی ان مذهب ابی حنیفہ ان ضعیف الحدیث عنده اولی من القیاس والرأی وعلی ذلك بنی مذهبہ" (ج: ۱، ص: ۷۷)

امام ابو حنیفہ کے تلامذہ و متبعین کا اس بات پر اتفاق و اجماع ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث بھی ان کے نزدیک قیاس و رائے سے اولی و بہتر ہے اسی نظریہ پر انہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی ہے۔

اس موقع پر یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ اجتہادی مسائل میں امام صاحب احادیث و آثار سے آزاد ہو کر کبھی کوئی رائے قائم نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اس کا خاص اہتمام کرتے تھے کہ شرعی احکام میں جو رائے بھی قائم کریں وہ سنت و اشکے تابع ہو۔ پس یوں سمجھنا چاہیے کہ ظاہر میں تو وہ امام صاحب کا قول ہوتا تھا لیکن حقیقت میں وہ حدیث کی تفسیر و توضیح ہوتی ہے، اسی لیے سرتاج محدثین امام عبد اللہ بن مبارک فرمایا کرتے تھے۔

"ولا تقولوا رأی ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ولكن قولوا انه تفسیر الحدیث" (ذیل الجواب المفید، ج: ۲، ص: ۳۶۰)

لوگو یہ نہ کہا کرو کہ یہ ابو حنیفہ کی رائے ہے بلکہ یوں کہو کہ یہ حدیث کی

تفسیر و بیان ہے ایک دوسرے موقع پر انہی امام الحدیث عبد اللہ بن مبارک نے امام صاحب کی اصابت رائے اور اسکی ضرورت و اہمیت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔  
 "ان كان الاثر قد عرف واحتيج الى الراي، فرائى مالك، وسفيان، وابى حنيفة، وابو حنيفة احسنهم وادقهم فطنة واغوصهم

على الفقه، وهو اقله الثلاثة" (تاريخ بغداد للخطيب، ج: ۱۳، ص: ۳۴۳)

اگر حدیث معلوم و معروف ہو اور (اس کی مراد کی تعیین میں) رائے کی ضرورت ہو تو امام مالک، امام سفیان ثوری اور امام ابو حنیفہ کی رائے (مطووظ رکھنی چاہیے) اور امام ابو حنیفہ ان تینوں میں فہم و ادراک میں زیادہ بہتر اور فقہ کی تہہ تک زیادہ پہنچنے والے تھے۔

اور امام الحدیث سفیان بن عیینہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے کوئی بات حدیث سے ہٹ کر نہیں کہی ہے بلکہ انہوں نے جو بھی کہا ہے اس کی تائید میں ایک دو حدیث موجود ہے۔ چنانچہ مشہور ثقہ محدث علی بن خشرم کا بیان ہے کہ۔

"كنا في مجلس سفيان بن عيينة فقال: يا اصحاب الحديث تعلموا فقه الحديث لا يفهمكم اصحاب الراي، ما قال ابو حنيفة شيئا الا ونحن نروى فيه حديثا او حديثين" (معروف علوم الحدیث لہام، ص: ۶۶)  
 ہم سفیان بن عیینہ کی مجلس میں تھے تو انہوں نے کہا اے حدیث سے اشتغال رکھنے والو، حدیث میں تفقہ حاصل کرو ایسا نہ ہو کہ تم پر اصحاب فقہ غالب ہو جائیں، امام ابو حنیفہ نے کوئی بات ایسی نہیں بیان کی ہے کہ ہم اس سے متعلق ایک، دو حدیثیں روایت نہ کرتے ہوں۔

امام سفیان بن عیینہ نے اپنے اس ارشاد میں حاضرین مجلس کو دو باتوں کی طرف متوجہ کیا ہے ایک یہ کہ وہ الفاظ حدیث کی تحصیل و جمع کیا تھا حدیث کے معنی و فقہ کے حاصل کرنے کی بھی سعی کریں دوسرے امام صاحب کی اصابت

رائے اور بصیرت فقہ کی تعریف میں فرمایا کہ انکی رائے و فقہ حدیث کے مطابق ہے کیوں کہ وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں اسکی تائید و توثیق کسی کی حدیث سے ہو جاتی ہے۔ اس کمال اصابت رائے اور بے نظیر فقہی بصیرت کے باوصف تواضع و بے نفسی اور وسعت نظری و کشادہ ذہنی کا یہ عالم تھا کہ برملا فرماتے تھے۔

"هذا الذي نحن فيه راى لا نجبر احدا عليه ولا نقول: يجب على احد قبوله بكرة فمن كان عنده شيء احسن منه فليأت به"

(الاعتقاد مع تعلق شيخ عبد الفتاح ابو غنم، ص: ۲۵۸)

یہ بات جو ہم کہہ رہے ہیں یہ (ہماری) رائے ہے کسی کو اس پر ہم مجبور نہیں کرتے، اور نہ یہ کہتے ہیں کہ ناپسندیدگی کے باوجود کسی پر اس کا قبول کرنا واجب ہے۔ اور اگر کسی کے پاس اس سے بہتر رائے ہو تو وہ اسے پیش کرے۔ (یعنی ہم اسے بسر و چشم قبول کر لیں گے)

امام خطیب بغدادی نے اپنی سند سے امام صاحب کا یہ بیان نقل کیا ہے۔  
 "هذا رأى وهو احسن ما قدرنا عليه فمن جاءنا باحسن من

قولنا فهو اولى بالصواب منا" (تاريخ بغداد، ج: ۱۳، ص: ۳۵۲)

یہ ہماری رائے ہے اور ہماری وسعت و قدرت کے مطابق یہ بہترین رائے ہے، اگر کوئی شخص ہمارے سامنے ہماری اس رائے سے بہتر رائے پیش کرے گا تو وہ ہمارے مقابلہ میں درستی سے زیادہ قریب ہو گا۔

امام صاحب کی اسی اصابت رائے بے مثال فقہی بصیرت اور احادیث و آثار کی حد درجہ اتباع و پیروی پھر اس پر مستزاد کشادہ نظری اور تواضع و انکساری کا ثمرہ ہے کہ آج بھی جبکہ اعجاب کمال ذی راہی برائۃ کا ظہور اپنے شباب پر ہے اور خود پسندی و خود رای کا عام شیوع ہے پھر بھی عالم اسلام کی غالب اکثریت انہیں کی فقہ اور تفسیر نصوص کو حرز جان بنائے ہوئے ہے، ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ہر اک کا یہ نصیب یہ بخت رسا کہاں  
 اور برصغیر (ہندوپاک اور بنگلہ دیش) میں تو اسلام کے یہاں پورے طور  
 پر داخلہ کے وقت ہی مسلمانوں کی تقریباً تو فی صد سے بھی زائد اکثریت  
 بغیر کسی فکری انتشار کے فقہ حنفی کی روشنی میں اسلامی احکام پر عمل کرتی رہی ہے۔  
 مگر مسلمانوں کے عہد زوال میں جب برطانوی سازشوں کے تحت مسلمانوں  
 میں اختلاف و انتشار پھیلانے کی غرض سے مذہبی فرقہ بندیوں کا سلسلہ شروع کیا  
 گیا تو دیگر بہت سارے فرقوں کے علاوہ موحدین کے عنوان اور عدم تقلید کا نعرہ  
 لیکر فقہ و فقہاء بالخصوص امام ابو حنیفہ، ان کی فقہ اور ان کے مقلدین و متبعین کے  
 خلاف ایک نئے فرقہ نے سر اٹھایا جسے اس وقت کے علماء راجستھان مثلاً حضرت  
 مولانا شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی، مولانا محبوب العلی جعفری تلمیذ خاص حضرت  
 مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، مولانا عبدالخالق دہلوی استاذ مولانا سید  
 نذیر حسین استاذ الکل جماعت غیر مقلدین مولانا نواب قطب الدین صاحب مظاہر  
 حق شرح مشکوٰۃ وغیرہ ”لامذہبون کا فرقہ“ کہا کرتے تھے لیکن اس فرقہ کی  
 وفاداریوں کے صلہ میں برطانوی سرکار کی جانب سے اسے ”اہل حدیث“ کا  
 پرکش لقب حاصل ہو گیا۔ برطانوی سامراج کے عطا کردہ اسی لقب سے یہ فرقہ  
 آج جانا پہچانا جاتا ہے۔ جس سے عام لوگوں کو دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ دیگر  
 مسلمانوں کے مقابلہ میں حدیث و سنت پر زیادہ عمل کرتے ہیں اس فرقہ سے  
 وابستہ افراد بھی عوام الناس کو یہی باور کرینکی کوشش کرتے ہیں کہ وہ فقہاء کی  
 رائے و اجتہاد کے بجائے سنت رسول ﷺ کو مانتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔  
 چنانچہ اس فرقہ کے سرخیل جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب جو  
 عام طور پر اعتدال پسند سمجھے جاتے ہیں اپنی جماعت اور دیگر مسلمانوں کے  
 درمیان فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”فرق درمیان مقلدین مذاہب اور فرقہ موحدین کے فقط اتنا ہے کہ

موحدین (یہ آج کل کے اہل حدیث کا پہلا لقب تھا) نے قرآن و حدیث  
 صحیح کو مانتے ہیں اور باقی اہل مذاہب اہل الرائے ہیں جو مخالف سنت اور طریقہ  
 شریعت ہے“ (زہران دہلیہ، ص: ۶۲)

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس فرقہ کا عمل بالحدیث صرف دعویٰ کی حد  
 تک ہی ہے چند اختلافی مسائل مثلاً قرأت خلف الامام، رفع یدین، آمین  
 بالجہر، وغیرہ کے علاوہ دیگر مسائل سے متعلق احادیث سے انہیں کوئی دلچسپی  
 نہیں ہے ان کی تمام تر سعی و عمل کا محور بس یہی چند اختلافی مسائل ہیں گویا یہ  
 فروغی مسائل نہیں بلکہ کفر و ایمان کی بنیاد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے  
 نزدیک ہر وہ شخص جو بلند آواز سے آمین کہے، رکوع میں جاتے اور اس سے  
 اٹھتے وقت ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھائے، سینے پر ہاتھ باندھے، امام کے پیچھے  
 سورۃ فاتحہ پڑھے وہ سچا پکا محمدی اور اہل حدیث ہے خواہ وہ جاہل مطلق اور  
 بدکردار ہی کیوں نہ ہو اس کے بالمقابل جو ان مسائل پر عمل نہ کرے وہ عالم  
 باعمل ہونے کے باوجود نہ محمدی ہے اور نہ اہل حدیث۔ یا اللعجب۔

خرد کا نام جنون رکھ دیا جنون کا خرد

واقعی اگر یہ لوگ سچے حدیث والے ہوتے اور ان کے دلوں میں احیاء  
 سنت کا جذبہ ہوتا تو وہ آنحضرت ﷺ کی ایک ایک سنت پر مرتضیٰ جب کہ  
 روزہ مردہ کا مشاہدہ اور تجربہ بتا رہا ہے کہ سونے، جاگنے، چلنے، پھرنے، کھانے،  
 پینے، ملنے جلنے، معاملات و معاشرت وغیرہ سے متعلق حدیثوں سے انہیں کوئی  
 سرکار نہیں بلکہ ان کے علماء کے فتوؤں سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ سنن مؤکدہ کی  
 بھی ان کے یہاں کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔

چنانچہ فتاویٰ ثنائیہ میں ایک سوال اور اس کا جواب یوں درج ہے۔

کوئی شخص فرض نماز ادا کرے اور سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ ترک کر دے

تو خدا کے پاس اس ترک سنت کا کیا مواخذہ ہوگا؟

جواب: سنتوں کی وضع رفع درجات کے لیے ہے ترک سنن سے رفع درجات میں کمی رہتی ہے مواخذہ نہیں ہوگا انشاء اللہ۔ (ج: ۱، ص: ۱۲)

ان کا اصل منشاء تو مسلمانوں کے اندر اختلاف و انتشار پھیلانا ہے اس لیے جن جن کرائی نہیں اعمال کو اور ان سے متعلق احادیث کو اپنی بحث و نظر اور اتباع و عمل کا محور بناتے ہیں جن میں ائمہ مجتہدین اور اکابر محدثین مختلف الرائے ہیں انہیں مختلف فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ قرأت خلف الامام کا بھی ہے جسے آج کل کے غیر مقلدین نے کفر و ایمان کے درجہ میں پہنچا رکھا ہے اور قریہ قریشہ شہر تقریروں و تحریروں کے ذریعہ یہ پروپیگنڈہ کرتے پڑھتے ہیں کہ۔

فاتحہ خلف الامام پڑھنا فرض ہے بغیر فاتحہ پڑھے ہوئے نماز نہیں ہوتی۔ فاتحہ کے بغیر منفرد ہو یا مقتدی کسی کی نماز نہیں ہوتی۔

جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اسکی نماز ناقص ہے کالعدم ہے بیکار ہے باطل ہے۔ اسلئے سارے خفی تارک صلوٰۃ اور بے نمازی ہیں۔ ان کی اس بیجا سرگرمیوں سے متاثر ہو کر بعض لوگ اپنی نمازوں کے سلسلے میں تذبذب کے شکار ہو گئے اور اس کے نتیجے میں وہ نمازی چھوڑ بیٹھے چنانچہ اس صورت حال کو دیکھ کر مہمئی کے بعض احباب نے بندہ سے ایک ایسا رسالہ مرتب کرنے کی خواہش کی جس میں امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے کی حدیثیں ہوں۔ بندہ نے اپنی درسی مصروفیت کا عذر ان کے سامنے رکھا کہ تدریس کے ساتھ یہ کام دشوار طلب ہے، مگر ان دوستوں نے اس عذر کو قبول نہیں کیا اور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ بندہ سے یہ مطالبہ کرتے رہے اسی دوران اپنے بعض بڑوں نے بھی باصر احکم دیا کہ یہ کام پورا کرو اب میرے لیے مزید عذر کی گنجائش نہیں رہی اس لیے بنام خدا کام شروع کر دیا۔

یہ رسالہ چونکہ عام مسلمانوں کے علمی معیار کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے اس لیے علمی و فنی مباحث سے احتراز کرتے ہوئے فقط احادیث اور اسکے ترجمے

اور بقدر ضرورت تشریح کے لکھنے پر اکتفاء مناسب سمجھا گیا البتہ حاشیہ میں بعض احادیث کے سلسلے میں اختصار کے ساتھ ضروری اصولی مباحث بھی درج ہیں چونکہ علماء غیر مقلدین کی یہ عام عادت ہے کہ اپنے نقطہ نظر کے خلاف صحیح و حسن درجہ کی احادیث میں بھی کھینچ تان کر کوئی فنی قسم پیدا کر کے اسے رد کر دیتے ہیں اس لیے جن احادیث کے بارے میں ان کی جانب سے اس طرح کا غیر علمی و بیجا رویہ اختیار کیا گیا ہے۔ ان میں یہ مباحث ناگزیر تھے۔

احادیث کے نقل میں اس بات کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ ہر حدیث کا درجہ خود حضرات محدثین کے اقوال و اصول کے حوالے سے متعین کر دیا جائے۔ حتیٰ الوسع اس کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات بغیر حوالہ نہ لکھی جائے رہا معاملہ بھول چوک کا تو یہ انسان کی فطرت میں داخل ہے اور اس سے کون بچا ہے۔ رسالہ کی ترتیب یوں قائم کی گئی ہے کہ سب سے پہلے مسئلہ زیر بحث میں قرآن سے دلیل پیش کی گئی ہے پھر احادیث رسول ﷺ نمبر وار درج ہیں۔ بعد ازاں حضرات صحابہ اور تابعین عظام کے آثار و اقوال نقل کئے گئے ہیں اور آخر میں اس مسئلہ سے متعلق ائمہ اربعہ یعنی امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے مذاہب بیان کئے گئے ہیں۔ ان مباحث سے ایک نصف مزاج اور حق پسند بخوبی اس نتیجہ پر انشاء اللہ پہنچ جائیگا کہ بعض لوگوں کی جانب سے جو یہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے والوں کی نماز صحیح نہیں ہوتی دلائل و براہین کے اعتبار سے ایک بے اصل اور بے بنیاد بات ہے۔

حبیب الرحمن قاسمی عظمیٰ

۱۰ شوال ۱۴۱۹ھ

## قرأت خلف الامام اور قرآن حکیم

امت مسلمہ کا بغیر کسی اختلاف کے اس بات پر اتفاق و اجماع ہے کہ اسلامی احکام و مسائل کا اولین سرچشمہ رب العالمین کی آخری کتاب ”قرآن حکیم“ ہے جس کا ایک ایک جملہ اور ایک ایک حرف منزل من اللہ ہے۔ اور جو مقام و مرتبہ رفعت و بلندی، قوت و قطعیت کلام اللہ کو حاصل ہے وہ کسی مجموعہ کلام اور علمی و فنی کو میسر نہیں۔

قرآن حکیم کی ان عظیم صفات کی بناء پر دینی معاملات و مسائل میں ایک مسلمان کی نظر سب سے پہلے اسی کی طرف اٹھتی ہے اور کتاب الہی سے ثابت حکم پر اسے جو انشراح صدر، یقین و وثوق اور اطمینان و سکون حاصل ہوتا ہے کسی اور مراجع سے علم و اذعان کی یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔

اس لیے اصولی طور پر مسئلہ زیر بحث میں سب سے پہلے قرآن حکیم ہی کی جانب رجوع کیا جانا چاہیے اور احکم الحاکمین نے ہمیں اس کا مکلف بھی کیا ہے۔ فرمان خداوندی ہے ”فَإِنْ تَنَادَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ“ الباقیہ، پھر کتاب الہی سے جو حکم معلوم ہو جائے قیل و قال اور چون و چرا کے بغیر اس کے آگے تسلیم کر دینا ہی ہماری بندگی و اطاعت شعاری کا تقاضا ہے۔ لہذا ”یے کتاب اللہ کو دیکھیں کہ اس مسئلہ میں اس کی ہدایت کیا ہے؟ پڑھئے سورہ“

”عراف کی آیت ۲۰۴۔“

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم ہو۔ آیت پاک اور اس کے ترجمہ کے بعد ذیل میں تلامذہ رسول ﷺ

ﷺ اور ائمہ تفسیر و حدیث کو دیکھیں کہ مشکوٰۃ نبوت سے مستفید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر سلف صالحین آیت مذکورہ کی تفسیر اور مراد و معنی کیا بیان کرتے ہیں۔

۱۔ عمدۃ المفسرین امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

”ثم اختلف اهل التأويل في الحال التي امر الله بالاستماع لقارئ القرآن اذا قرأ والانصات له فقال بعضهم: ذلك حال كون المصلى في الصلوة خلف امام ياتم به وهو يسمع قراءة الامام عليه ان يسمع لقراءته، وقالوا: في ذلك نزلت هذه الآية“

(جامع البیان معروف بہ تفسیر ابن جریر طبری ج ۶، ص ۲۱۶)

علمائے تفسیر اس بارے میں مختلف الرائے ہیں کہ وہ کون سی حالت ہے جس میں قرآن پڑھنے والے کی قرأت کی جانب کان لگانے اور چپ رہنے کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے۔ بعض ائمہ تفسیر کا قول ہے کہ یہ اس نمازی کا حکم ہے جو امام کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا ہے اور امام کی قرأت سن رہا ہے اس حال میں اس پر استماع وانصات یعنی قرأت کی جانب متوجہ رہنا اور خاموش رہنا واجب ہے یہ حضرات کہتے ہیں کہ اس آیت کا شان نزول یہی ہے۔

اس کے بعد تفصیل کے ساتھ حضرات صحابہ اور ائمہ تفسیر و حدیث میں سے حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور امام زہری، عیسیٰ بن عمیر، عطاء بن رباح، مجاہد، سعید بن المسیب، سعید بن جبیر، ضحاک، ابراہیم نخعی، قتادہ، عامر شعبی، سعدی، عبد الرحمن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ کے آثار و اقوال سند کے ساتھ نقل کئے ہیں جو مذکور بالا تفسیر و تاویل کے قائل ہیں اس کے بعد لکھتے ہیں:



”وقال آخرون: بل عنی بهذه الآية الامر بالانصات للامام في الخطبة اذا قرئ القرآن في خطبة“ (ج: ۶، ص: ۲۱۹)

اور دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت میں خاموش رہنے کا جو حکم ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جب خطبہ میں قرآن پڑھا جائے تو خاموش رہو (گویا اس آیت کا تعلق نماز میں امام کی قرأت سے نہیں بلکہ خطبہ میں خطیب کے قرآن پڑھنے سے ہے)

اس قول کے قائلین میں سے صرف امام تفسیر مجاہد بن جبر کا نام ذکر کیا ہے۔ بعد ازاں تیسری تفسیر کو ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

وقال آخرون: عنی بذلك، الانصات في الصلوة وفي الخطبة“ (ج: ۶، ص: ۲۱۹)

یعنی اس آیت میں نماز اور خطبہ دونوں میں انصات اور خاموش رہنا مراد ہے۔

اس قول کے تحت امام مجاہد، عطاء، حسن بھری اور سعید بن جبیر سے منقول آثار سند کے ساتھ نقل کیا ہے آیت مذکورہ کی تفسیر سے متعلق ان تینوں اقوال کو ذکر کرنے کے بعد اپنی رائے ان الفاظ میں ذکر کی ہے۔

قال ابو جعفر: والی الاقوال في ذلك بالصواب قول من قال امروا باستماع القرآن في الصلوة اذا قرأ الامام وكان من خلفه ممن ياتم به ويسمعه وفي الخطبة، وانما قلنا ذلك اولی بالصواب، لصحة الخبر عن رسول الله ﷺ انه قال: ”اذا قرأ الامام فانصتوا“ واجماع الجميع على ان من سمع خطبة الامام ممن عليه الجمعة الاستماع والانصات لها؛ مع تنابع الاخبار بذلك عن رسول الله ﷺ، وانه لا وقت يجب على احد استماع القرآن. والانصات لسماعه من قارنه الا في هاتين الحالتين على اختلاف في احدهما،

وهی حالة ان يكون خلف امام مؤتم به وقد صح الخبر عن رسول الله ﷺ بما ذكرنا من قوله ”اذا قرأ الامام فانصتوا“ فالانصات خلفه لقرأته واجب على من كان به مؤتما سامعا قرأته بعموم ظاهر القرآن والخبر عن رسول الله ﷺ۔

(تفسیر ابن جریر طبری، ج: ۶، ص: ۲۲۰-۲۲۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ان تینوں اقوال میں اقرب بالصواب اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس آیت کا شان نزول نماز ہے اور خطبہ بھی ہم نے اس قول کو سب سے زیادہ صحیح بایں وجہ کہا ہے کیوں کہ آنحضرت ﷺ کی صحیح حدیث ہے ”اذا قرأ الامام فانصتوا“ جب امام قرأت کرے تو چپ رہو، اور سارے علماء کا اتفاق ہے کہ جن لوگوں پر جمعہ واجب ہے ان پر بوقت خطبہ استماع وانصات لازم ہے۔ اس اجماع کے ہوتے ہوئے اس بارے میں نبی کریم ﷺ کی بکثرت حدیثیں بھی ہیں بس ان دو حالتوں کے علاوہ کسی وقت بھی قرأت قرآن کے سننے والے پر استماع وانصات یعنی اس قرأت کی جانب ہمہ تن گوش متوجہ ہونا اور چپ رہنا واجب نہیں، اگرچہ امام کے پیچھے مقتدی کے استماع وانصات کے بارے میں اختلاف ہے لیکن آنحضرت ﷺ کی صحیح حدیث سے جس کو ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں ثابت ہے کہ مقتدی پر جو امام کی قرأت کو سننے والا ہے خاموش رہنا واجب ہے، کیوں کہ قرآن حکیم کے ظاہری و عمومی الفاظ اور رسول خدا ﷺ کی حدیث سے یہی ثابت ہے۔

امام ابن جریر طبری کی اس عبارت سے صاف طور پر یہ بات سامنے آگئی کہ ہر قرأت کے سننے والے پر استماع وانصات لازم نہیں ہے بلکہ یہ وجوب صرف اس شخص پر ہے جو امام کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا ہے کیوں کہ قرآن

حکیم کے ظاہر اور صحیح احادیث کا تقاضہ یہی ہے۔

۲- امام ابو بکر احمد بن علی رازی البصاص متوفی ۷۰۳ھ اپنی مشہور و محققانہ کتاب احکام القرآن میں آیت مذکورہ کے تحت رقمطراز ہیں:

فقد حصل من اتفاق الجميع انه قد اريد ترك القراءة خلف الامام والاستماع والانصات لقراءته، ولولم يثبت عن السلف اتفاقهم على نزولها في وجوب ترك القراءة خلف الامام لكانت الآية كافية في ظهور معناها وعموم لفظها ووضوح دلالتها على وجوب الاستماع والانصات لقراءة الامام وذلك لان قوله تعالى "وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا" يقتضي وجوب الاستماع والانصات لقراءة القرآن في الصلوة وغيرها، فان قامت دلالة على جواز ترك الاستماع والانصات في غيرها لم يبطل حكم دلالة في ايجابه ذلك فيها وكما دلت الآية على النهي عن القراءة خلف الامام فيما يجهر به فهي دلالة على النهي فيما يخفي لانه اوجب الاستماع والانصات عند القراءة ولم يشترط فيه حال الجهر من الاختفاء فاذا جهر فعلى الاستماع والانصات واذا اخفى فعلى الانصات بحكم اللفظ لعلمنا به قارئ للقرآن

(ج ۳، ص ۲۱۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی ۱۳۱۳ھ)

تمام علماء کے اتفاق سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس کی مراد امام کے پیچھے قرأت نہ کرنا اور اس کی قرأت کی جانب ہمہ تن گوش متوجہ ہونا اور خاموش رہنا ہے۔ اور اگر بالفرض سلف سے یہ اتفاق ثابت نہ ہوتا کہ اس آیت کا شان نزول امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے کا وجوب ہے جب بھی یہ آیت بجائے خود اپنے ظاہر معنی اور عموم لفظ کے اعتبار سے امام کی قرأت کے وقت استماع وانصات (کان

لگانے و چپ رہنے) کے وجوب پر واضح اور کافی دشانی دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا" (جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی جانب کان لگاؤ اور خاموش رہو) کا تقاضا ہے کہ نماز یا خارج نماز بہر حالت قرأت کے وقت اس کے سننے والے پر استماع وانصات واجب اور ضروری ہوگا۔ اور جب خارج نماز ترک استماع وانصات پر دلیل ثابت ہو گئی تو یہ دلیل داخل نماز قرأت کے استماع وانصات کے وجوب کو ختم نہیں کر سکتی (بلکہ اس کا وجوب بحالہ باقی رہے گا)

پھر یہ آیت جہری نمازوں کی طرح سری نمازوں میں بھی امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع ہے کیوں کہ آیت میں جہر و سر کی قید کے بغیر محض قرأت قرآن کے وقت استماع وانصات کو واجب کیا گیا ہے لہذا امام کی جہری قرأت کے وقت بھی استماع وانصات ہم پر ضروری ہوگا اور سری قرأت کے وقت بھی استماع وانصات ہم پر لازم ہوگا کیوں کہ (سری نمازوں میں بھی) ہمیں یقینی طور پر معلوم ہے کہ ہمارا امام اس وقت قرآن کی قرأت کر رہا ہے۔

امام بصاص رازی کی خط کشیدہ عبارت سے واضح ہے کہ سلف صالحین کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ آیت مذکورہ کا شان نزول امام کے پیچھے ترک قرأت کے حکم کو بیان کرنا ہے۔ امام رازی مزید یہ بتا رہے ہیں کہ اگر اسلاف کا یہ اتفاق و اجماع نہ ہوتا پھر بھی یہ آیت اپنے ظاہری معنی اور عموم الفاظ کے اعتبار سے بجائے خود اس بات کو واضح طور پر بتا رہی ہے کہ امام کی قرأت قرآن کے وقت مقتدیوں کو قرأت کرنا درست نہیں۔

بلکہ وہ جہری نمازوں میں ہمہ تن گوش ہو کر خاموشی کے ساتھ امام کی قرأت کو سنیں اور سری نمازوں میں قرأت قرآن کی عظمت کا تقاضا ہے کہ

اس وقت کچھ پڑھنے کی بجائے ادب کے ساتھ خاموش رہیں۔

۳- امام حافظ ابو عمر یوسف بن عمر معروف بہ ابن عبد البر بنی متوفی ۳۶۳ھ اپنی بے مثال کتاب التہدید میں قرأت خلف الامام کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”قال ابو عمر: فی قول الله عزوجل ”وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا“ مع اجماع اهل العلم ان مراد الله من ذلك فی الصلوة المكتوبة، اوضح الدلائل علی ان المأموم اذا جهر امامه فی الصلوة انه لا یقرأ معه بشئ وان یستمع له وینصت، وفي ذلك دلیل علی ان قول رسول الله ﷺ ”لا صلاة لمن لم یقرأ فیها بفاتحة الكتاب مخصوص فی هذا الموضوع وحده اذا جهر امامه بالقراءة لقول الله عزوجل ”وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا“ وما عدا هذا الموضوع وحده فعلى عموم الحديث، وتقديره ”لا صلاة یعنی الركعة لمن لم یقرأ فیها بفاتحة الكتاب الا لمن صلی خلف امام یجهر بالقراءة فانه یستمع وینصت“

(التہدید لما فی فی المواطن المعانی والامانیہ ج ۱۱ ص ۳۰-۳۱ مطبوعہ ۱۳۰۶ھ)

حضرات علماء کے اس اجماع و اتفاق کے باوجود کہ آیت ”وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا“ کا شان نزول فرض نماز ہے، خود اللہ بزرگ و برتر کے اس فرمان میں یہ واضح دلیل موجود ہے کہ امام جب جہر اور آواز کے ساتھ قرأت کرے تو اس کے پیچھے مقتدی کچھ بھی نہ پڑھیں بلکہ ہمتن گوش ہو کر خاموش رہیں، اور یہ آیت اس کی بھی دلیل ہے کہ رسول خدا ﷺ کے ارشاد ”لا صلاة لمن لم یقرأ فیها بفاتحة الكتاب“ (اس شخص کی رکعت (معتبر) نہیں جو اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے) کا عمومی حکم امام کے جہری قرأت کی حالت کو شامل نہیں بلکہ آیت پاک ”وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا“ کے ذریعہ حدیث کا عموم مخصوص ہے لہذا اس آیت کے پیش نظر

حدیث مذکور کا معنی یہ ہو گا کہ جو شخص سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز یعنی رکعت (معتبر) نہیں سوائے اس شخص کے جو جہری نماز میں امام کے پیچھے نماز ادا کر رہا ہے وہ (بجسم خداوندی فاتحہ وغیرہ پڑھنے کی بجائے) کان لگائے چپ رہے۔ حافظ ابن عبد البر ایک دوسری جگہ بھی صاف لفظوں میں لکھتے ہیں

”واجمع العلماء علی ان المراد الله عزوجل من قوله ”وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا“ یعنی فی الصلوة۔ (التہدید ج ۲۲ ص ۱۷۰)

تمام علماء کا اس بات پر اتفاق و اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ”اذا قرأ القرآن الخ“ کی مراد (یعنی شان نزول) نماز کے بارے میں ہے۔

۴- امام حسین بن محمد بغوی متوفی ۵۱۶ھ آیت مذکورہ کی تفسیر میں ائمہ تفسیر کے متعدد اقوال ذکر کرنے کے بعد اپنی تحقیق ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

والاول اولی: وهو انها فی القراءة فی الصلوة لان الآية مكية والجمعة وجبت بالمدينة وانفقوا علی انه مأمور به بالانصات حالة ما یخطب الامام“ (معالم الخیر علی تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۲۳)

ان اقوال میں صحیح ترین پہلا قول ہی ہے کہ آیت ”وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا“ کا شان نزول صرف نماز ہے اس لیے کہ یہ آیت مکی دور میں نازل ہوئی ہے اور جمعہ عہد مدنی میں فرض ہوا ہے (اس لیے خطبہ اس آیت کا شان نزول نہیں ہو سکتا) ہاں علماء کا اتفاق ہے کہ آیت کے الفاظ کی عمومیت کے تحت خطبہ کی حالت میں بھی حاضرین پر توجہ اور خاموشی لازم ہوگی۔

امام بغوی کی اس تحقیق سے یہ بات بالکل صاف ہو گئی کہ جن بزرگوں نے اس آیت کو خطبہ جمعہ وغیرہ پر محمول کیا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ آیت اپنے الفاظ کے عموم کے اعتبار سے خطبہ کو بھی شامل ہے ورنہ اس کا شان نزول تو صرف نماز ہے۔

۵- امام موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ ”والماموم اذا

سمع قراءة الامام فلا يقرأ بالحمد ولا غيرها“ مقتدی جب امام کی قرأت سن رہا ہو تو نہ سورۃ فاتحہ پڑھے اور نہ اس کے علاوہ کوئی اور سورۃ و آیت“ اس مسئلہ کی دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ولنا قول الله ”وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ“ قال احمد فالناس على ان هذا في الصلوة، وعن سعيد بن المسيب، والحسن، وابراهيم، ومحمد بن كعب، والزهرى انها نزلت في شأن الصلوة وقال زيد بن اسلم، وابو العالى، كانوا يقرؤون خلف الامام فنزلت ”وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ“ وقال احمد في رواية ابى داود اجمع الناس على ان هذه الآية في الصلوة، ولانه عام فيتناول بعمومه الصلوة.

(السنن، ج: ۱، ص: ۲۲۹-۲۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۵ھ)

ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ”وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ“ الخ ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ سارے لوگوں کا قول یہی ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے (بالخصوص) سعید بن مسیب، حسن بصری، ابراہیم بن خنیس، محمد بن کعب اور زہری (جیسے اکابر ائمہ حدیث و تفسیر) سے مروی ہے کہ آیت مذکورہ کا شان نزول نماز ہے۔ امام تفسیر زید بن اسلم اور ابو العالیہ سے بصرحت منقول ہے کہ لوگ امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے تو (اسکی ممانعت کے لیے) یہ آیت نازل ہوئی۔

اور امام ابو داؤد سمعانی، امام احمد بن حنبل سے روایت کرتے ہیں کہ امام احمد نے فرمایا کہ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ یہ آیت نماز میں (امام کے پیچھے ترک قرأت کے بارے میں) نازل ہوئی ہے۔

۶- مشہور مفسر امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی متوفی ۶۷۱ھ آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

قيل: ان هذا نزل في الصلوة، روى هذا عن ابن مسعود، وابى

هريرق وجابر، والزهرى، وعبيد الله بن عمير، وعطاب بن رباح، وسعيد بن المسيب.....

قيل: انها نزلت في الخطبة، قاله سعيد بن جبیر، ومجاهد، وعطاء، وعمر بن دينار، وزيد بن اسلم، والقاسم بن مخيمرة، ومسلم بن يسار، وشهر بن حوشب، وعبد الله بن المبارك، وهذا ضعيف، لان القرآن فيها قليل والانصات يجب في جميعها قاله ابن العربي، والنقاش والآية مكية ولم يكن بمكة خطبة ولا جمعة.....

قال النقاش اجمع اهل التفسير ان هذا الاستماع في الصلوة المكتوبة وغير المكتوبة“

(الجامع لاحكام القرآن ج: ۷، ص: ۳۵۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی ۱۹۶۵ء)

۱- کہا گیا ہے کہ اس آیت کا شان نزول نماز ہے یہ قول حضرت عبد اللہ بن مسعود، ابو ہریرہ، جابر رضی اللہ عنہما اور امام زہری، عبيد اللہ بن عمير، عطاء اور سعيد بن المسيب رحمہم اللہ کا ہے۔

۲- کہا گیا ہے کہ یہ خطبہ میں خاموش رہنے کے بارے میں نازل ہوئی اس بات کے کہنے والوں میں سعید بن جبیر، مجاہد، عطاء، عمرو بن دينار، زيد بن اسلم، قاسم بن خیمرہ، مسلم بن يسار، شهر بن حوشب اور عبد اللہ بن المبارك ہیں۔ یہ قول ضعیف ہے اس لیے کہ خطبہ میں تو قرآن کم ہی ہوتا ہے جبکہ خاموش رہنا پورے خطبہ میں واجب ہے (اور آیت میں کہا گیا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف متوجہ رہو اور خاموش رہو اس آیت کے اعتبار سے تو خطبہ کے اسی حصہ میں خاموشی ضروری ہونی چاہیے جو آیت قرآنی پر مشتمل ہو خطبہ کے بقیہ حصے کا حکم نہیں ہو گا حالانکہ پورے خطبہ میں اس کی طرف متوجہ رہنا اور خاموش رہنا ضروری ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت خطبہ کے سلسلہ میں نہیں نازل ہوئی ہے) اس قول کے ضعیف ہونے کی یہ وجہ امام ابن العربی مالکی نے بیان کی ہے۔

اور قدیم مفسر نقاش نے اس قول کے ضعیف ہونے کی یہ دلیل بیان کی ہے کہ یہ آیت ہجرت سے قبل کی دور میں نازل ہوئی ہے اور عہدِ مکی میں نہ خطبہ تھا اور نہ ہی جمعہ (اس لیے یہ آیت خطبہ کا شان نزول کیوں کر ہو سکتی ہے) امام نقاش (محمد بن حسن متوفی ۳۵۱ھ) نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ آیت میں جس استماع و انصات کا حکم دیا گیا ہے اس کا تعلق نماز فرض اور غیر فرض دونوں سے ہے۔

۷۔ شیخ الاسلام حافظ احمد ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ نے بھی ابن قدامہ کی طرح امام احمد کے اس مذکورہ قول کو ذکر کیا ہے۔ بحالت جہر امام کے پیچھے قرأت کرنے کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فان للعلماء فيه ثلاثة اقوال: قيل: ليس له ان يقرأ حال جهر الامام اذا كان يسمع لا بالفتحة ولا غيرها، وهذا قول المجهور من السلف والخلف، وهذا مذهب مالك واحمد وابي حنيفة وغيرهم واحد قول الشافعي.

وقيل يجوز الامران، والقراءة افضل ويروى هذا عن الازاعمي واهل الشام، وليث بن سعد وهو اختيار طائفة من اصحاب احمد وغيرهم.

وقيل: بل القراءة واجبة وهو القول الآخر للشافعي.

وقول الجمهور هو الصحيح فان سبحانه تعالى قال: "وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ" قال: احمد اجمع الناس على انها نزلت في الصلوة.

(فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ج ۲ ص ۲۹۳)

جہری نمازوں میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے بارے میں علماء کے تین قول ہیں (۱) مقتدی جب امام کی جہری قرأت کو سن رہا ہو تو اسے نہ سورۃ فاتحہ کی قرأت کرنی چاہیے اور نہ کسی دوسری سورۃ کی۔ یہی جمہور علمائے سلف

وخلف کا قول ہے اور یہی امام مالک، امام احمد اور امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے اور امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔

۲۔ اور کہا گیا ہے کہ اس مذکورہ حالت میں مقتدی کو قرأت کرنی اور قرأت نہ کرنی دونوں درست ہے البتہ قرأت کرنی افضل و بہتر ہے۔ امام اوزاعی اور علمائے اہل شام نیز امام لیث بن سعد مصری کا یہی مذہب نقل کیا گیا ہے۔ امام احمد کے مقلدین میں سے ایک جماعت نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

۳۔ اور کہا گیا ہے کہ اس مذکورہ حالت میں بھی مقتدی پر قرأت واجب ہے۔ یہی امام شافعی کا آخری قول ہے۔

(اس بارے میں) جمہور ہی کی بات صحیح ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ" الآیہ "جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی جانب کلاں لگائے رہو اور خاموش رہو تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے کہ تمام علماء کا اجماع ہے کہ یہ آیت نماز میں (قرأت قرآن کی جانب متوجہ اور خاموش رہنے کے بارے میں) نازل ہوئی ہے۔

ائمہ تفسیر، اکابر محدثین اور فقہائے محققین کی یہ چند عبارتیں اور اقوال آپ کے پیش نظر ہیں جن میں امام الحدیث احمد بن حنبل، امام قرأت و تفسیر نقاش، امام الفقہاء بھاص رازی، مرجع محققین حافظ ابن عبد البر واضح الفاظ میں بتا رہے ہیں کہ علماء اسلام کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ آیت مذکورہ کا شان نزول نماز ہے۔ امام موفق ابن قدامہ اور علامہ حافظ ابن تیمیہ نے بھی اس اجماع کے قول کو نقل کر کے اس کی تائید و تصویب کی ہے۔ پھر امام نقاش اور امام بغوی نے علی الترتیب یہ وضاحت کر کے کہ "الآیۃ مکیۃ ولم یکن بمکۃ خطبۃ ولا جمعة" اور "الآیۃ مکیۃ والجمعة وجبت بالمدينة" یعنی آیت مذکورہ عہدِ مکی میں نازل ہوئی ہے اور اس عہد میں خطبہ و جمعہ کا وجوب نہیں ہوا تھا (بلکہ حسب تحقیق حافظ ابن جریر طبری جمعہ کی فرضیت اہ میں ہوئی

ہے) یہ بات مزید صاف کر دی کہ اس آیت کے شان نزول اور موضوع سے خطبہ کا کوئی تعلق نہیں کیوں کہ اس وقت خطبہ جمعہ وغیرہ کا شرعاً وجود ہی نہیں تھا۔ رہا علماء کے اتفاق اور آیت کے عموم الفاظ سے خطبہ کا ضمنی طور پر اس حکم میں شامل ہونا تو یہ ایک الگ بات ہے شان نزول سے اس کا کوئی تعلق نہیں اس لیے علم و تحقیق کی بنیاد پر یہی ثابت و محقق ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کے لیے قرأت کی کوئی گنجائش نہیں یہی علمائے سلف و خلف کی تحقیق ہے اور اسی پر ان کا عمل ہے چنانچہ علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

لكن الذين يهون عن القراءة مع الامام هم جمهور السلف والخلف ومعهم الكتاب والسنة الصحيحة، والذين اوجبوها على المأموم في حال الجهر هكذا فحديثهم قد ضعفه الائمة. ترجمہ:- لیکن جو حضرات امام کے ساتھ قرأت سے منع کرتے ہیں وہ جمہور سلف و خلف ہیں اور ان کے ساتھ اللہ کی کتاب اور رسول خدا ﷺ کی صحیح حدیثیں ہیں اور جن لوگوں نے بحالت سکتہ وغیرہ مقتدی پر قرأت واجب کی ہے تو ان کی مستدل روایتوں کو ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ج: ۲۲، ص: ۳۲۰)

آخر میں ایک اور حوالہ محقق عالم مولانا عبدالحی فرنگی نخلی متوفی ۱۲۰۳ھ کے قلم سے ملاحظہ کیجئے جو علم و تحقیق کی میزان میں قول فصل کی حیثیت رکھتا ہے، لکھتے ہیں۔

ان الآية المذکورة صريحة في الامو بالاستماع عند قراءة القرآن، والخطبة وان كانت مشتملة عليها لا يطلق عليها قراءة القرآن فحملها على سماع الخطبة يابى عنه ايضا ظاهر القرآن، فاذا ظهر حق الظهور ان ارجح تفاسير الآية وموارد نزولها هو القول الثاني وهو انها نزلت في القراءة خلف الامام.....

وهذا القول ترجيحه بوجوه احدها: انه لا تعارضه الآثار

والاخبار وليست فيه خدشة ومناقضة عند اولي الابصار، وثانيها: انه منقول عن الائمة الثقات من غير معارضات، وثالثها: انها قول جمهور الصحابة حتى ادعى بعضهم الاجماع على ذلك كما اخرجہ البيهقي عن احمد انه قال اجمع الناس على ان هذه الآية نزلت في الصلوة وقال ابن عبد البر في الاستذكار، هذا عند اهل العلم عند سماع القرآن في الصلوة لا يختلفون ان هذا الخطاب نزل في هذا المعنى دون غيره. (امام الکلام، ص: ۱۰۱)

آیت مذکورہ قرأت قرآن کے وقت استماع کے حکم و امر میں صریح ہے۔ رہا خطبہ تو اگرچہ اس میں بھی آیات قرآنیہ ہوتی ہیں لیکن خطبہ کو قرآن پڑھنا نہیں بولا جاتا لہذا خود قرآن کا ظاہر اس بات کو رد کر رہا ہے کہ اس آیت کو خطبہ کے سننے پر محمول کیا جائے۔ تو اب یہ بات محقق طور پر روشن ہو گئی کہ آیت کی رائج ترین تفسیر اور موقع نزول یہی قول ثانی ہے کہ یہ آیت قرأت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس قول کے رائج ہونے کی وجہ حسب ذیل ہیں۔

۱- یہ قول دیگر آثار و اخبار کے معارض نہیں ہے نیز اس میں کسی قسم کا کوئی خدشہ اور باہمی مخالفت بھی نہیں ہے۔

۲- یہ قول بغیر کسی تعارض کے ائمہ ثقات سے مروی ہے۔

۳- یہی جمہور صحابہ کا قول ہے حتیٰ کہ امام بیہقی نے امام احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا تمام لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور امام عبد البر نے الاستذکار (ج: ۲، ص: ۲۳۰) میں لکھا ہے کہ اہل علم کے نزدیک یہ آیت نماز میں سماع قرآن کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اگلے صفحات میں یہ بات گزر چکی ہے کہ اجماع کا یہ قول امام احمد بن حنبل

کے علاوہ امام قرأت و تفسیر محمد بن الحسن انصاری، امام جصاص رازی، حافظ ابن عبد البر وغیرہ ائمہ تفسیر و حدیث اور فقہ سے بھی منقول ہے۔ اس لیے اس کے رائج بلکہ متعین ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟

رہا یہ مسئلہ کی بعض اکابر نے استماع و انصات کے حکم کو جہری نمازوں کے ساتھ خاص کیا ہے تو اس کی بنیاد یہ ہے کہ ان بزرگوں کا خیال یہ ہے کہ بغیر جہر کے استماع بے معنی ہے یعنی ان حضرات کے نزدیک استماع وہیں ہو گا جہاں آواز بلند ہو اور سنائی دے بغیر اس کے استماع کا عمل بے فائدہ اور رائیگاں ہے۔

جبکہ دوسرے اکابر یہ کہتے ہیں کہ کلام الہی کی عظمت اور ادب و احترام کا تقاضا یہی ہے کہ تلاوت کے وقت آدمی ہمتن گوش بن جائے اور بالکل چپ و خاموش رہے۔ چنانچہ ابتدائے وحی کے زمانے میں جب جبریل امین کلام الہی لے کر آتے اور آپ کے حضور اس کی تلاوت کرتے تو آنحضرت ﷺ بھی ان کی تلاوت کے ساتھ چپکے چپکے پڑھتے جاتے تھے تو حکم خداوندی ہوا۔ لَا تَجْرُكْ بِهِ لِسَانُكَ لِنَتَجْعَلَ بِهِ إِذْ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ۔ (تیسرے: ۲۹)

ترجمہ: نہ حرکت دیجئے قرآن کے پڑھنے میں اپنی زبان کو تاکہ آپ اسے جلد سے سیکھ لیں۔ اس کا (آپ کے دل میں) جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے پڑھنا ہمارے ذمہ ہے پس جب ہم (بواسطہ فرشتہ) قرآن کو پڑھیں تو آپ ان کے پڑھنے کی اتباع کریں۔

اس آیت پاک سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ رب العزت نے اپنے کلام کی تعظیم اور اتباع کا یہی طریقہ بتایا ہے کہ اس کی تلاوت کے وقت آدمی ہمتن گوش اور بالکل خاموش رہے۔ خواہ تلاوت کی آواز کانوں تک پہنچے یا نہ پہنچے۔ چنانچہ امام شوکانی "باب ماجاء فی قراۃ المأموم و انصاته اذا سمع امامہ" کی احادیث پر بحث کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں "لان قوله ﷺ

"فلا تنقروا بشی من القرآن اذا جهرت" يدل على النهی عن القراءة عند مجرد وقوع الجهر من الامام وليس فيه ولا فی غیرہ ما يشعر باعتبار السماع" (مثل الاوطار، ج ۲، ص ۲۴۷) آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کہ جب میں جہر سے قرأت کروں تو تم لوگ مطلق قرآن نہ پڑھو "اس پر دلالت کرتا ہے کہ جب امام جہر سے قرأت کرے تو اس حالت میں مقتدی کو قرأت کرنا منع ہے۔ یہ حدیث اور اس کے علاوہ کوئی اور حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی کہ مقتدی کو قرأت سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ وہ قرأت سن رہا ہے۔

امام شوکانی صاف لفظوں میں کہہ رہے ہیں کہ ترک قراۃ خلف الامام یا بالفاظ دیگر استماع و انصات کی علت امام کی قرأت کا سننا نہیں بلکہ جہر بالقراۃ (امام کا بلند آواز سے قرأت کرنا) ہے لہذا اس حالت میں مقتدی پر استماع و انصات ضروری ہو گا خواہ امام کی قرأت سن رہا ہو یا نہ سن رہا ہو۔

جمہور کہتے ہیں کہ قرأت سے ممانعت کی علت جہر نہیں بلکہ خود قرأت امام ہے آیت مذکورہ کا اطلاق اسی کا مؤید ہے امام ابو بکر جصاص لکھتے ہیں۔

قد بينا دلالة الآية على وجوب الانصات عند قراءة الامام في حال الجهر والاختفاء وقال اهل اللغة: الانصات، الامساك عن الكلام والسكوت لاستماع القراءة ولا يكون القاري منصتاً ولا مسامكاً بحال، وذلك لان السكوت ضد الكلام الخ۔ (احکام القرآن، ج ۳، ص ۲۱۷)

ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ آیت مقتدی کے سکوت کے وجوب پر دلالت کر رہی ہے جب کہ امام قرأت کر رہا ہو جہر سے یا آہستہ۔ علماء لغت کہتے ہیں کہ انصات کے معنی کلام سے رک جانا اور قرأت کی جانب متوجہ ہونے کے لیے خاموش رہنا ہے اور قرأت کرنے والا بہر صورت مصت و ساکت نہیں ہو سکتا کیوں کہ سکوت کلام کی ضد ہے (اور دو ضد ساتھ اکٹھا

نہیں ہوتیں) احادیث صحیحہ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے یہ احادیث آگے آ رہی ہیں نیز اہل لغت کی تصریحات سے بھی یہی ثابت ہے کہ استماع کے لیے سہل ضروری نہیں ہے اس سلسلے میں کتب لغت کی مراجعت کی جائے بغرض اختصار صرف انہیں اشارات پر یہ بحث ختم کی جا رہی ہے۔

بعض حضرات نے اس مسئلہ کو یوں حل کرنے کی کوشش کی ہے کہ امام کی قرأت کے وقت مقتدی متوجہ اور خاموش رہے تاکہ نص قرآنی پُر عمل ہو جائے اور امام کے ساتھ منازعت بھی نہ ہو جس کی ممانعت صحیح احادیث سے ثابت ہے البتہ امام جب قرأت سے توقف اور سکتہ کرے تو اس وقت مقتدی قرأت کر لیں تاکہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ الخ پر بھی عمل ہو جائے۔ لیکن ان بزرگوں کی یہ سچی اگرچہ بظاہر کتاب اللہ ”واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا“ اور سنت رسول اللہ ﷺ ”لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ فیہا بفاتحة الكتاب“ کے درمیان تطبیق اور دونوں پر عمل کی بہترین صورت ہے۔ لیکن کیا سمجھیں کہ روایت و درایت دونوں کا فیصلہ اس کے خلاف ہے اس لیے کہ صحیح احادیث سے آنحضرت ﷺ کا جو عمل منقول ہے وہ صرف دو سکتوں کا ہے۔ ایک تکبیر تحریمہ کے بعد جس میں آپ دعائے افتتاح پڑھتے تھے جیسا کہ صحیحین میں مروی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ظاہر ہے اور دوسرا نہایت مختصر وقفہ قرأت ختم ہو جانے کے بعد ہوتا تھا جس کی وجہ امام ابو داؤد یہ بیان کرتے ہیں ”لئلا يتصل التكبير بالقراءة“ یہ وقفہ اس لیے ہوتا تھا کہ قرأت قرآن سے تکبیر مل نہ جائے، ظاہر ہے اتنے قلیل وقفہ میں سورۃ فاتحہ کی قرأت کیسے کی جاسکتی ہے ان دو سکتوں کے علاوہ تیسرے سکتہ کے ثبوت کا حافظ ابن تیمیہ انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ حدیث پاک اور جمہور کے اقوال سے تیسرے سکتہ کا ثبوت تحقق نہیں چنانچہ نماز میں دوران قیام سکتہ کے مسئلہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وايضاً فللناس في الصلوة اقوال:

اصداؤها: انه لا مسكوت فيها كقول مالك، ولا يستحب عنده افتتاح ولا استعاذه ولا مسكوت لقراءة المأموم، والشافعي: انه ليس فيها الاسكوت واحدا للاستفتاح: كقول ابی حنيفة، لان هذا الحديث يدل على هذه السكنة.

والثالث: ان فيها سكتين كما في حديث السنن لكن دري فيه انه يسكت اذا فرغ من القراءة وهو الصحيح، وروى اذا فرغ من الفاتحة، فقال طائفة من اصحاب الشافعي واحمد يستحب ثلاث سكتات، وسكنة الفاتحة جعلها اصحاب الشافعي وطائفة من اصحاب احمد ليقرأ المأموم الفاتحة، والصحيح انه لا يستحب الاسكتان فليس في الحديث الا ذلك واحدى الروايتين غلط والا كانت ثلاثا وهذا هو المنصوص عن احمد وانه لا يستحب الاسكتان، والثانية عند الفراغ من القراءة للاستراحة والفصل بينها وبين الركوع.

واما السكوت عقيب الفاتحة فلا يستحب احمد كاملا يستحب مالك، وابو حنيفة، والجمهور لا يستحبون ان يسكت الامام ليقرأ المأموم وذلك ان قراءة المأموم عندهم اذا جهر الامام ليست بواجبة ولا مستحبة بل هي منهي عنها وهل تبطل الصلوة اذا قرأ مع الامام؟ فيه وجهان في مذهب احمد، فهو اذا كان يسمع قراءة الامام فاستماعه الفضل من قرائته كاستماعه لما زاد على الفاتحة، فيحصل له مقصود القراءة، والاستماع بدل عن قرائته فجمعه بن الاستماع والقراءة جمع بين البذل والمبدل

(مجموع فتاوى شيخ الاسلام احمد ابن حنبل، ج ۲، ص ۳۳۸-۳۳۹)



دوران قیام نماز میں سکوت کے بارے میں لوگوں کے چند اقوال ہیں۔

۱- نماز میں کوئی سکتہ نہیں۔ جیسا کہ امام مالک کا قول ہے کہ ان کے یہاں (بکبیر تحریمہ کے بعد) دعائے استفتاح اور اعوذ باللہ پڑھنا بہتر نہیں اور نہ ہی مقتدیوں کی قرأت کے لیے توقف کرنا ان کے یہاں افضل ہے۔

۲- نماز میں صرف ایک سکتہ دعائے استفتاح (ثنا) کے لیے ہے۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے اس لیے کہ حدیث ابو ہریرہ سے یہ ثابت ہے۔

۳- نماز میں دو سکوت ہیں جیسا کہ سنن کی حدیث میں ہے لیکن اس میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ قرأت سے فارغ ہونے پر سکوت فرماتے تھے، اور یہی صحیح ہے۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ سورۃ فاتحہ سے فراغت پر سکتہ کرتے تھے۔ اس روایت کے پیش نظر امام شافعی اور امام احمد کے مقلدین کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ تین سکتے مستحب ہیں۔ سورۃ فاتحہ کے بعد والے سکتہ کو امام شافعی کی پیروی کرنے والے اور امام احمد کے پیروکاروں میں سے ایک طبقہ نے مقتدی کی قرأت کے لیے مقرر کیا ہے۔

اور صحیح بات یہ ہے کہ صرف دو ہی سکتے مستحب ہیں اور حدیث میں بس ان ہی دو کا ذکر ہے اور دونوں روایتوں (یعنی ایک جس میں فاتحہ کے بعد سکتہ کا ذکر ہے اور دوسری جس میں قرأت سے فارغ ہو جانے پر سکتہ مذکور ہے) میں سے ایک غلط ہے ورنہ تین سکتے ہو جائیں گے اسی کی صراحت امام احمد نے بھی کی ہے کہ صرف دو سکتے مستحب ہیں (ایک تحریمہ کے بعد) اور دوسرا قرأت سے فارغ ہو کر دم لینے اور قرأت و تکبیر کے درمیان فصل کرنے کے لیے۔ اور قرأت فاتحہ کے بعد سکتہ تو یہ امام احمد اور اسی طرح امام مالک و امام ابو حنیفہ کے نزدیک بہتر نہیں ہے۔ اور جمہور اس کو پسند نہیں کرتے کہ مقتدی کی قرأت کے لیے امام سکوت کرے۔ کیوں کہ ان کے نزدیک امام کی جبری قرأت کے وقت مقتدی کے لیے قرأت نہ ضروری ہے اور نہ بہتر بلکہ ممنوع ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ

امام کی جبری قرأت کی حالت میں مقتدی کی قرأت کرنے سے اس کی نماز باطل ہو جائے گی تو امام احمد کے یہاں اس بارے میں دو قول ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ امام کی قرأت سننے کی حالت میں مقتدی کا امام کی قرأت کی جانب متوجہ رہنا خود قرأت سے افضل و بہتر ہے جس طرح فاتحہ کے بعد بقیہ قرأت کا سننا سب کے نزدیک افضل ہے اور اس استماع سے قرأت کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ تو یہ استماع قرأت کا بدل ٹھہرا لہذا استماع اور قرأت دونوں کو عملاً جمع کرنے سے بدل و مبدل کا اکٹھا کرنا لازم آئے گا (جو صحیح نہیں ہے) علامہ ابن تیمیہ ایک دوسرے موقع پر اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں۔

ومعلوم ان النبی ﷺ لو كان يسكت سكتة تتسع لقراءة الفاتحة لكان هذا مما تنویر الهمم والدواعی علی نقله فلما لم ينقل احد علم انه لم یکن.

والسکنة الثانية فی حدیث سمرۃ قد نفاها عمران بن حصین وذلك انها سکتة یسیرة قد لا ینضبٹ مثلها وقدر وی انها بعد الفاتحة ومعلوم انه لم یسکت الا سکتین فلعلم ان احدها طویلة والاخری بكل حال لم تکن طویلة متسعة لقراءة الفاتحة.

وايضاً فلو كان الصحابة کلهم یقرأون الفاتحة خلفه اما فی السکنة الاولى واما فی سکتة الثانية لكان هذا مما تنویر الهمم والدواعی علی نقله فکیف ولم ینقل هذا احد من الصحابة انهم كانوا فی السکنة الثانية خلفه یقرأون الفاتحة مع ان ذلك لو كان مشروعاً لكان الصحابة احق الناس بعلمه وعمله فلعلم انه بدعة.

(مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام احمد ابن تیمیہ، ج: ۲۳، ص: ۲۷۸-۲۷۹)

یہ بات معلوم ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ کا معمول اس قدر طویل سکوت کا ہوتا

جس میں سورہ فاتحہ پڑھنے کی گنجائش ہوتی تو آپ کا یہ عمل ان امور میں سے ہوتا جس کے نقل و بیان کے عزائم و اسباب کثیر ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود جب کوئی آپ کے اس عمل کو بیان نہیں کرتا تو معلوم ہو گیا کہ اس دراز سکوت کا وجود ہی نہیں۔

اور حضرت سرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور دوسرے سکوت کا حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے انکار کیا جس کی (بظاہر) یہی وجہ ہے کہ یہ وقفہ و سکوت اس قدر مختصر تھا کہ ایسے مختصر وقفوں کو بسا اوقات ضبط و شمار میں لایا ہی نہیں جاتا۔

یہ بھی مردی ہے کہ یہ سکوت سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد ہوتا تھا۔ اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف دو سکوت کرتے تھے اس روایت سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ ان دو سکوتوں میں سے ایک قدرے دراز اور دوسرا بہر حال مختصر ہوتا تھا جس میں سورہ فاتحہ پڑھنے کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اگر حضرات صحابہ آپ کے پیچھے پہلے یا دوسرے سکوت میں سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے تو ان کا عمل ان امور میں سے ہوتا جس کے نقل و بیان کے عزائم و اسباب کثیر ہیں۔ اس کے ہوتے ہوئے آخر کیا بات ہے کہ کوئی کسی صحابی کا یہ عمل ذکر نہیں کرتا۔

علاوہ ازیں اگر ان سکوتوں میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا شریعت کی جانب سے ہوتا تو اس حکم شرعی کے جاننے اور اس پر عمل کرنے کے اوروں کے مقابلے میں حضرات صحابہ زیادہ حقدار تھے (مگر ان سے یہ منقول نہیں) تو معلوم ہوا کہ یہ عمل بعد کا نوید ہے۔

علامہ ابن تیمیہ علیہ الرحمہ کی بیان کردہ ان تفصیلات کا حاصل یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوران قیام صرف دو سکوتوں کا ثبوت ہے اور یہ دونوں سکوت اس قدر مختصر ہوتے تھے کہ اس میں سورہ فاتحہ پڑھنے کی بالکل گنجائش نہیں نیز حضرات صحابہ سے بھی منقول نہیں ہے کہ وہ آپ کے پیچھے سکوتوں میں سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے اس لیے سکوتوں کے دوران سورہ فاتحہ پڑھنے کی اس تجویز کا روایت ساتھ نہیں دے رہی ہے۔

اس موقع پر ہم نے بطور خاص علامہ ابن تیمیہ ہی کی تحقیق پیش کی ہے تاکہ ہمارے ان دوستوں اور کرم فرماؤں کو بھی اطمینان ہو جائے جو اپنے آپ کو سلفی کہلانے کے باوجود سلف صالحین وائمہ مجتہدین کے مقابلے میں علامہ ابن تیمیہ کی رائے و تحقیق کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں ورنہ اس مسئلہ پر دیگر اکابر محدثین، و فقہائے مجتہدین کی تحقیقات بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ جن کی طرف خود ابن تیمیہ نے اشارہ بھی کیا ہے۔

ان احباب کے مزید اطمینان کے واسطے خود ان کے ہی گھر کی ایک تحقیق اور پیش کی جا رہی ہے۔ علامہ یمن، محدث کامل محمد بن اسماعیل امیر یمنی متوفی ۱۱۸۲ھ تحریر کرتے ہیں۔

ثم اختلف القائلون بوجوب القراءة ففيل: في محل سكناات الامام، وقيل: في سكوته بعد تمام القراءة، ولا دليل لهذين القولين في الحديث " (سبل السلام شرح بلوغ المرام، ج: ۱، ص: ۱۰۶)

پھر امام کے پیچھے قرأت کو واجب کہنے والے باہم مختلف ہو گئے، بعض یہ کہتے ہیں کہ امام کے سکوتوں میں (قرأت کرنی چاہیے) اور بعض اس کے قائل ہیں کہ جب امام قرأت سے فارغ ہو جائے (تو اس وقت مقتدی قرأت کر لے) لیکن ان دونوں باتوں کا حدیث میں کوئی ثبوت نہیں۔

آخر میں علامہ العلماء امام جلیل فخر الدین رازی متوفی ۷۰۶ھ کی درج ذیل عبارت پڑھئے اور فیصلہ کیجئے کہ از روئے درایت اس تجویز پر عمل کہاں تک ممکن ہے۔

ولقائل ان يقول: سكوت الامام ان نقول: انه من الواجبات، اوليس من الواجبات، والاول باطل بالاجماع، والثاني يقتضي ان يجوز له ان لا يسكت، فيتقدير ان لا يسكت بلزم ان تحصل قراءة المأموم مع قراءة الامام، وذلك يفضي الى ترك الاستماع والى ترك السكوت عند قراءة الامام وذلك على خلاف النص.

و ایضا فهذا السکوت ليس له حد محدد ومقدار مخصوص  
والسکنة للمأمومين مختلفة بالنقل والخفة فربما لا يتمكن المأموم  
من اتمام قراءة الفاتحة في مقدار سکوت الامام وحينئذ يلزم  
المحذور المذكور، وایضا فالامام انما یبقی ساکتا لیتمكن المأموم  
من اتمام القراءة وحينئذ ینقلب الامام ما مومًا والمأموم اما مالان  
الامام فی هذه السکوت یصیر کالتابع للمأموم وذلك غیر جائز.

(التفیر الکبیر، ج ۱۵، ص ۳۰۳، المطبعة کتب الاعلام الاسلامی ۱۳۱۳ھ)

کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ امام کا سکوت یا تو واجبات سے ہے یا غیر واجبات  
سے پہلی صورت (یعنی واجب ہونے کی) بالاجماع باطل ہے اور دوسری  
صورت (یعنی واجب نہ ہونے کی) کا مقتضایہ ہے کہ (سکوت کرے اور) سکوت  
نہ بھی کرے۔ اور امام کے سکوت نہ کرنے کی صورت میں لازم ہے کہ مقتدی کی  
قرأت امام کی قرأت کے ساتھ ساتھ ہوگی جس سے استماع اور انصات (یعنی  
متوجہ رہنے اور خاموش رہنے) کا ترک ہوگا اور یہ نص قرآنی کے خلاف ہے۔  
نیز سکوت کے لیے کوئی حد مقرر نہیں ہے اور نہ ہی اس کی کوئی مخصوص  
مقدار ہے۔ اور مقتدیوں کے واسطے یہ سکتہ دراز اور خفیف ہونے میں مختلف ہوگا  
تو بسا اوقات مقتدی امام کے اس سکتہ کی مقدار میں قرأت فاتحہ پوری نہ کر  
سکے گا۔ ایسی صورت میں وہی ممنوع صورت (یعنی امام کی قرأت کے وقت  
متوجہ ہونے اور چپ رہنے کا ترک) پیش آئے گی۔

نیز یا تو یہ صورت اختیار کی جائے کہ امام خاموش کھڑا ہے تاکہ مقتدی اپنی  
قرأت پوری کر لیں اس وقت امام، مقتدی اور مقتدی امام ہو جائے گا اسلئے کہ امام  
اس سکوت میں گویا کہ مقتدیوں کا تابع ہو گیا ہے۔ اور یہ صورت بھی جائز نہیں ہے۔

کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا  
قرا فانصتوا یعنی امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء و پیروی کی

جائے لہذا جب وہ قرأت کرے تو تم چپ رہو، اس حدیث سے دو باتیں معلوم  
ہوئیں اول یہ کہ مقتدی امام کی اقتداء و اتباع کریں گے نہ کہ خود امام مقتدی کی  
پیروی کرے گا دوسری یہ کہ امام کی اقتداء میں یہ بات شامل ہے کہ جب وہ قرأت  
کرے تو مقتدی اس کی قرأت کے لیے خاموشی اختیار کریں۔ جس سے یہ  
بات رد و روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ امام مقتدی  
کی قرأت کے لیے سکوت کرے کیوں کہ اگر وہ اس سکوت کا مامور ہو تا تو لازمی  
طور پر اس بات کا بھی مامور ہو تا کہ وہ مقتدیوں کی اقتداء کرے۔ تو اس صورت  
میں وہ ایک ہی حالت میں امام اور مقتدی دونوں ہو جائے گا۔ اور شخص واحد نا ایک  
ہی حالت میں امام اور مقتدی دونوں ہو تا نہ عقلاً درست ہے اور نہ شرعاً صحیح ہے۔  
ان تفصیلات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ سکنت میں قرأت کی  
تجویز و ادیت و درایت دونوں لحاظ سے قابل عمل نہیں اس لیے انسب و احوط راہ  
یہی ہے کہ امام کی قرأت کے وقت مقتدی حکم خداوندی ”واذا قرأ القرآن  
فاستمعوا وانصتوا“ پر عمل کرتے ہوئے تن گوش اور خاموش رہیں۔  
کتاب اللہ کے بعد آئندہ سطور میں احادیث رسول اللہ ﷺ پیش کی  
جاری ہیں جو دراصل اسی آیت کی تفسیر و تفصیل ہیں۔

## احادیث رسول ﷺ

۱- عن ابی موسیٰ الاشعری قال ان رسول اللہ ﷺ خطبنا فبین لنا سنتنا وعلّمنا صلوٰتنا، فقال اذا صلیتم فاقیموا صفوفکم ثم لیؤم احدکم، فاذا کبر فکبر واذ اذ قرأ فانصتوا واذ قال "غیر المقضوب علیہم ولا الضالین" فقولوا آمین" الحديث. (۱)

(رواہ مسلم فی صحیحہ ج: ۱، ص: ۱۷۳)

(۱) یہ حدیث صحیح مسلم کے علاوہ سنن ابی داؤد، مسند امام احمد، مسند ابی حاتم، سنن ابن ماجہ، مسند بزار وغیرہ حدیث کی معتبر و مستند کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ امام مسلم، امام احمد بن حنبل، حافظ ابن عبد البر، علامہ ابن حزم، امام منذری، حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن کثیر، حافظ ابن حجر، امام موفق الدین ابن قدامہ وغیرہ کا برابر اس حدیث کی ایک بڑی جماعت نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔

امام دارقطنی اور بیہقی وغیرہ نے روای حدیث سلیمان بن جریج کی تفریق کی جو بات کہی ہے وہ ان بزرگوں کا تسامع ہے، حافظ مغطائی لکھتے ہیں۔

هذا حديث خوجه مسلم في صحيحه من حديث جرير وقال في آخره قال ابو اسحاق ابراهيم بن محمد بن سليمان قال ابو بكر ابن اخوت ابی النظر في هذا الحديث اي طعن فيه فقال مسلم اتريد احفظ من سليمان.

واشار ابو طالب في سوائله..... الى انه قال بها وقال ابو الحسن الدارقطني هذه اللفظة لم يتابع فيها عن قتادة وخالفه الحفاظ فلم يذكرواها قال وجمعهم على مخالفته يدل على وهمه ولعله شبه عليه لكثرة من خالفه من الثقات وقال في موضع آخر رواه سالم بن نوح الطمار عن عمر بن عمرو بن ابی عروبة عن قتادة بهذه الزيادة، ومن هذه الطريق رواه البزار عن محمد بن يحيى القسطنطيني من سالم وهو سند صحيح على شرط مسلم، وقال الاثرم في سوال احمد قال يا اثرم وقلنعموا ان المعتمر رواه قلت نعم قلنرواه المعتمر قال فاي شيء تريد انتهي.

حديث المعتمر رواه ابو عوانة الاسفرائيني في صحيحه عن سليمان بن الاشعث السجوري ثنا عاصم بن النصر ثاب المعتمر ثابقتاده بهذه الزيادة، قال وثنا الضائع بمكة ثنا علي بن عبد الله ثاب جرير عن سليمان فذكره، وثنا سهل بن محمد الجندسابوري (بقية اگلے صفحہ پر)

ترجمہ: ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا جس میں ہمارے لیے زندگی گزارنے کے طریقہ کو بیان فرمایا اور ہمیں

(بقیہ: گذشتہ صفحہ کا) ثنا عبد الله بن رشيد ثنا ابو عبيد عن قتادة فذكره فهذا كما تری قد سلم الحديث من التفرد الذي اشار اليه هؤلاء الحفاظ ... وقد وجدنا متابعا آخر ذكره ابو مسعود العمشقي في جوابه للدارقطني وهو الثوري قال رواه عن سليمان كمارواه جرير (الاعلام بسنة عليه السلام مخطوطه: ج: ۴، ص: ۸۲)

رہا مولانا حافظ عبد الرحمن مبارکپوری کا یہ نقد کہ اس حدیث کے راوی سلیمان بن جریج مدلس ہیں اور مدلس کی مقتضی روایت الیقین استدلال نہیں ہوتی، حدیث کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوگا کیوں کہ محمد بن کا اس پر اتفاق ہے کہ مدلس راوی جب حدیث غیرہ سماع کے الفاظ سے حدیث روایت کرے تو مدلس کا لازم ختم ہو جاتا ہے (شرح غیبیہ ص: ۵۳) اور صحیح ابی حاتم و سنن ابی داؤد کی روایت میں سمعت کی صراحت موجود ہے۔

علاوہ ازیں مولانا مبارکپوری لکھتے ہیں "مدلس کا طعن متابعت سے اٹھ جاتا ہے (تحقیق الکلام، ج: ۱، ص: ۲۲) اور حافظ مغطائی کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہو چکا ہے کہ سلیمان بن جریج کے عمر بن عامر، ابن ابی عروبة، معتمر ابو عیدہ چار متابع موجود ہیں و نیز جریر کے بھی ایک متابع سفیان ثوری بھی ہیں۔

اسی طرح امام بخاری، امام ابو داؤد، امام دارقطنی اور بیہقی نے اس حدیث پر جو اشکال کیا ہے کہ "فلاذکر الا انصوا" کی زیادتی محفوظ نہیں ہے اصول محدثین کے اعتبار سے یہ اشکال بھی بے اثر ہے کیوں کہ سلیمان بن جریج بلا اختلاف ثقہ، فہم، متقن اور حافظ ہیں اور ثقہ کی زیادتی سب کے نزدیک مقبول ہے چنانچہ امام حاکم لکھتے ہیں "فقہائے اسلام کا اس پر گل اتفاق ہے کہ متون و اسانید میں ثقات کی زیادتی مقبول ہوگی (مستدرک، ج: ۱، ص: ۳) اسی اصول کے تحت خود امام دارقطنی نے باب تشہد میں "وحده لا شريك له" کی زیادت کو جس میں سلیمان بن جریج منقول ہیں صحیح تسلیم کیا ہے دیکھئے سنن دارقطنی، ج: ۱، ص: ۲۳۳ نیز اسی بنا پر علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں "وماعله البخاری فليس بقادح في صحته" (مجموع الفتاوى، ص: ۸۶)

علاوہ ازیں مولانا مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ "ثقہ کی زیادتی اس وقت شاذ اور ناقابل قبول ہوتی ہے جب اصل روایت کے منافی ہو اگر اصل و قابل کے مخالف نہ ہو تو جمہور محققین کے نزدیک وہ زیادتی قابل قبول ہوگی" (انکار المن، ص: ۷۳)

اور اہل نظر پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ "بلاذکر الا انصوا" کا جملہ حدیث ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے کسی بھی فقرہ کے مخالف نہیں ہے کیوں کہ یہ جملہ حدیث کے الفاظ سابقہ میں سے نہ تو کسی لفظ کو رد کرتا ہے نہ کسی کو متبدل اور نہ ہی کسی کے لیے منہر ہے بلکہ یہ جملہ تمام طریق حدیث جو اس زیادتی سے خالی ہیں کا تنوید ہے اس لیے کہ امور استقام و اعتناء میں "لاذکر الا انصوا" فرما کر "ولاذکر الا انصوا" غیر المضموب علیہم والاضالین فقولوا آمین" فرماتا اور "لاذکر الا انصوا" فاقولوا آمین فاقولوا آمین فاقولوا آمین فرماتا ہے کہ مقتدی کا کام بحمیر تحریر کے بعد آمین کہنا ہی ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

نماز سکھائی اور فرمایا کہ جب نماز ادا کرنے کا ارادہ کرو تو اپنی صفیں درست کرو پھر تم میں سے ایک امام بنے اور امام جب تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" کہے تو تم آمین کہو۔

تشریح: یہ صحیح حدیث واضح الفاظ میں بتا رہی ہے کہ امام کی ذمہ داری و فریضہ قرأت کرنا ہے اور مقتدیوں کا وظیفہ بوقت قرأت خاموش رہنا ہے۔ چونکہ اس حدیث میں جبری دسری نماز کی کوئی قید نہیں ہے اس لیے یہ حکم سب نمازوں کو شامل ہوگا۔

۲- عن حطان بن عبد الله ان اباموسى قال خطبنا رسول الله ﷺ فعلمنا مستنابین لنا صلوتنا فقال اذا کبر الامام فکبروا فاذا قرأ فانصتوا۔ (صحیح ابی عوانہ ج: ۲، ص: ۱۳۳)

ترجمہ: حطان بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول خدا ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا جس میں ہمیں سنت کی تعلیم دی اور ہم سے نماز کا طریقہ بیان فرمایا کہ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

(بقیہ: گذشتہ صفحہ کا)

ورنہ کلام کی ترتیب دینا کا تقاضا یہی تھا کہ بھیجے کے بعد مقتدی کی قرأت کا ذکر کیا جاتا۔

حافظ ابن تیمیہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں "وهی زیادة من النسخة لا تخالف المعزید بل نوافل معناه ولهذا رواها مسلم فی صحیحہ فان الانصات الی قراءة القاری من تمام الانصات به لان من قرأ علی قوم لا یستمعون لقراءته لم یکنوا مؤتمنین به" (مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ج: ۲۳، ص: ۲۷۲) پھر آنحضرت ﷺ کا مقتدی کے وظائف میں وجوب تکبیر، افتتاح صلوٰۃ، تشہد وغیرہ کا ذکر اور قرأت فاتحہ کا ذکر کرنا موقع بیان میں سکوت ہے اور اصول کے لحاظ سے موقع بیان میں سکوت عدم وجوب کی دلیل ہوا کرتا ہے۔ الحاصل سلیمان جلی کی روایت بلا غبار صحیح ہے اور اس روایت کے بیان میں ان پر خطا کا الزام خاند کرنا بقول امام احمد بن حنبل ان پر بہتان باندھنا ہے دیکھئے (المجوہر النقی ج: ۲، ص: ۱۵۵) اور اعلام السنہ خیر الامام للعقطنی قلمی ج: ۳، ص: ۸۲ و ۸۳

۳- عن ابی موسی اشعری قال: قال رسول الله ﷺ اذا قرأ الامام فانصتوا واذا قال غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا آمین۔

(صحیح ابی عوانہ ج: ۲، ص: ۱۳۳)

ترجمہ: ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔

۴- عن ابی موسی اشعری قال قال رسول الله ﷺ اذا قرأ الامام فانصتوا فاذا کان عند الفعدة فلیکن اول ذکر احدکم التشہد "سنن ابن ماجہ (۶) واثبت

تصحیحہ الحافظ مغلطانی عن جماعة من الحفاظ الاعلام قلمی ج: ۴، ص: ۸۱)

ترجمہ: ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب تعدہ میں ہو تو تم میں سے ہر ایک کا اولین ذکر تشہد ہونا چاہیے۔

۵- عن ابی موسی اشعری قال علمنا رسول الله ﷺ قال اذا قمتم الی الصلوۃ فلیزکم احدکم واذا قرأ الامام فانصتوا (مسند امام احمد ج: ۱۳، ص: ۳۱۵) ورجال اسنادہ ثقات۔

ترجمہ: ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں (نماز کی) تعلیم دی کہ جب تم نماز کے ارادے سے کھڑے ہو تو تم میں سے ایک تمہارا امام بنے اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

۶- عن ابی ہریرۃ قال قال رسول الله ﷺ انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبر واذا قرأ فانصتوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربناک الحمد (۱) (نسائی ج: ۱، ص: ۱۰۷)

(۱) سنن نسائی کے حوالہ سے روایت سنن ابی داؤد و مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی ہے۔ امام مسلم، امام احمد بن حنبل، امام نسائی، امام ابن خزیمہ، امام ابن جریر طبری، حافظ ابن تیمیہ، (بقیہ: اگلے صفحہ پر)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ لہذا جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمد کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو۔

۷- وعن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ: انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا۔ (نسائی، ج: ۱، ص: ۱۰۷)

(بقیہ: گذشتہ صفحہ کا) حافظ منذری، حافظ ابن کثیر، علامہ ابن حزم حافظ ابن عبد البر وغیرہ اکابر حافظ حدیث نے اس کی تصحیح کی ہے۔ نیز جماعتہ اہل حدیث کے رئیس اعظم نواب صدیق حسن خاں اور محدث کبیر موانا شمس الحق ڈیلانی نے بھی اس روایت کو صحیح کہا ہے دیکھئے ”دلیل الطالب، ص: ۲۹۳“ و عون المعبود، ج: ۱، ص: ۲۳۵

امام ابو داؤد اور امام بیہقی وغیرہ نے اس حدیث کے جملہ ”واذا قرأ فانصتوا“ پر جو کلام کیا ہے اس کو از روئے اصول محدثین رد کرتے ہوئے امام منذری لکھتے ہیں ”وفیما قالہ نظر فان ابا خالد هذا هو سلیمان بن حیان الاحمر وهو من الثقات الذین احتج البخاری ومسلم بحديثهم فی صحیحہما ومع هذا فلم ینفرد بهذه الزیادۃ بل تابعہ علیہا ابو سعید بن سعد الانصاری الاشہلی المحدثی نزہل بغداد وقد سمع من ابن عجلان وهو ثقة وثقه یحیی بن معین، ومحمد بن عبد اللہ المخزومی، وابو عبد الرحمن النسائی وقد خرج هذه الزیادۃ النسائی فی مسندہ من حدیث ابی خالد الاحمر ومن حدیث محمد بن سعد (عون المعبود، ج: ۱، ص: ۲۳۵)

ربا حافظ عبد الرحمن مبارکپوری کا یہ نقد کہ محمد بن عثمان میں کچھ کلام و مقال ہے نیز وہ اس بھی ہیں اس لیے یہ روایت صحیح نہیں ”ایک صحیح حدیث کو ضعیف ٹھہرانے کی بجائے کوشش ہے کیوں کہ محمد بن عثمان میں جو کچھ مقال ہے وہ ان کی بطریق سعید مقبری عن ابی ہریرہ کی بعض روایات میں ہے دیکھئے تہذیب التہذیب، ج: ۱، ص: ۳۴۱)

پھر امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس کا محقول جواب بھی دیدیا ہے یاں ہمہ امام نسائی کی یہ سند سعید مقبری سے نہیں بلکہ زید بن اسلم کے طریق سے ہے رہا تہذیب کا الزام تو مولانا مبارکپوری بھی جانتے ہیں کہ وہ ان تہذیب میں سے ہیں جن کی تہذیب سے محدثین اور خود امام بخاری و مسلم نے تسامح برتا ہے پھر محمد بن عثمان کے دو متابع خارج بن مہصب اور یحیی بن علاء موجود ہیں دیکھئے سنن کبریٰ، ج: ۲، ص: ۱۵۷ اور ان دونوں کا لائق متابعت ہونا خود مبارکپوری کو بھی تسلیم ہے دیکھئے ابکار السنن، ص: ۱۳۱، ص: ۱۷۹۔

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہذا جب امام تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

۸- وعن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ: انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا واذا قال ”غیر المغضوب علیہم ولا الضالین“ فقولوا آمین“ (الحديث (ابن ماجہ، ص: ۶۱)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے تو جب امام تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم چپ رہو اور جب وہ ”غیر المغضوب علیہم ولا الضالین“ کہے تو تم آمین کہو۔

۹- وعن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال: انما الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا واذا قال ”والضالین فقولوا آمین“ الحديث (مسند امام احمد، ج: ۲، ص: ۳۷۶) وقال المحقق احمد شاكر اسنادہ صحيح مسند احمد، ج: ۷، ص: ۵۲ مع تحقيق المحقق المذكور

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام اسی لیے (مقرر) ہوتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے تو جب امام تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم چپ رہو اور جب وہ ”والضالین“ کہے تو تم آمین کہو۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث کی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ صحیح احادیث ناطق ہیں کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی صورت میں امام کا فریضہ قرأت کرنا اور مقتدی کا وظیفہ امام کی قرأت کے لیے چپ رہنا ہے چنانچہ جماعت اہل حدیث کے پیشوا نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں۔

در حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ و ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ است ”واذا قرأ فانصتوا“ پس حظ مؤتم انصات واستماع قرأت امام است، وانصات خاص بخبر یہ نیست بلکہ

تشریح: حضرت عمران بن حصین ؓ سے مروی ان تینوں صحیح حدیثوں سے ظاہر ہے کہ بحالت نماز اپنے پیچھے مقتدی کی قرأت پر آپ نے اظہارِ ناگواری

(۱) اس حدیث کی سند کے ایک راوی الحسن بن علی بن شیبہ البصری "بر موسیٰ بن ہارون نے کچھ کام نیا ہے مگر یہ کام امام دارقطنی کی تحقیق کے مطابق برائے حدیث ہے جس کا محدثین کے یہاں اعتبار نہیں دیکھے۔ لسان المیزان، ج. ۲، ص. ۲۲۵ تا ۲۲۶، ابن ماجہ وغیرہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

فرمایا اور پوری جماعت میں سے ایک شخص کی قرأت کو بھی برداشت نہیں کیا بلکہ ان کی قرأت کے عمل کو خلل اندازی قرار دیا اور وہ بھی سری نماز میں جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ جہری نمازوں میں بدرجہ اولیٰ امام کے پیچھے کسی قسم کی قرأت کی کوئی گنجائش نہیں۔

۱۴- عن عبد الله بن مسعود قال كانوا يقرؤن خلف النبي ﷺ فقال خلطتم على القرآن (۱) (معانی الآثار ج: ۱ ص: ۱۰۶)

ترجمہ: عبد اللہ بن مسعود اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ نبی ﷺ کے پیچھے نماز میں قرأت کرتے تھے تو آپ نے ان کے اس عمل پر فرمایا تم لوگوں نے مجھ پر قرآن کی قرأت گنڈ کر دی۔

تشریح: امام ابو بکر صاص رازی لکھتے ہیں اس حدیث میں یہ عربی مطلق ہے یعنی اس میں سورہ فاتحہ یا قرآن کی کسی اور آیت یا سورۃ کی قید نہیں ہے اس لئے یہ لفظ سورہ فاتحہ اور قرآن کی جملہ سورتوں کو شامل ہو گا (احکام القرآن جلد ۳ ص: ۵۱) جس سے معلوم ہوا کہ بحالت اقتداء کسی بھی سورۃ یا آیت کا پڑھنا امام کی قرأت کے لئے باعث خلجان ہے جس کی اجازت نہیں۔

۱۵- عن عبد الله بن شداد عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كان له امام فقرأه الامام له قراءة (۲) (مسند احمد بن منيع بحواله فتح القدیر ج ۱ ص ۲۹۵ اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة ج ۲ ص ۳۴۳ الامام ابو صیری وقال صحيح على شرط الشيخين)

ترجمہ: عبد اللہ بن شداد حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں

(۱) یہ روایت مسند احمد، مسند ابویعلیٰ اور مسند بزار میں بھی ہے اور امام بیہقی مسند احمد کی روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: رجال البخاری مجمع الزوائد ج: ۴ ص: ۱۱۰ اور محقق اردبیلی لکھتے ہیں "ولہذا سند جيد" الجوزی ج: ۲ ص: ۱۶۳ اور عصر حاضر کے مشہور محدث شیخ لیبانی کہتے ہیں ہذا حدیث حسن۔

(۲) امام عبد الرحمن مبارک پوری اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں "ظاہر صحیح ہے کیونکہ موصول بھی ہے اس کے تمام روایات بالاتفق آتے ہیں اور کوئی علت قادمہ بھی ظاہر اس میں نہیں پائی جاتی" تحقیق الامام ج ۲ ص ۸۸۔

کہ انہوں نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس نے امام کی قدامت کی تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت کے حکم میں ہے

تشریح: اس صحیح حدیث میں سری و جہری نماز کی قید نہیں علاوہ ازیں حدیث کی ابتداء لفظ من سے ہے جو اپنے عمومی معنی پر نص ہے جس سے معلوم ہوا کہ جس نے امام کی اقتدا کر لی تو اب اسے بغیر کسی تخصیص کے امام کے پیچھے الگ سے قرأت کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ امام کی قرأت شرعاً مقتدی کی قرأت مان لی گئی ہے

۱۶- عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كان له امام فقرأه الامام له قراءة (۱) (موطاء محمد ص: ۹۴)

ترجمہ: جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کسی کا امام ہو تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔

۱۷- عن جابر بن عبد الله ان رجلا صلى خلف النبي صلى الله عليه وسلم في الظهر او العصر يعني قرأوا مني اليه رجل فنهأ فابى فلما انصرف قال اتنهاني ان اقرأ خلف النبي صلى الله عليه وسلم فتذاكر احدثي سمع النبي ﷺ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى خلف امام فان قرأه الامام له قراءة (۲) (كتاب الفرائض ص: ۱۰۲)

(۱) اس روایت کی سند بھی صحیح ہے رہا امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے ساتھ تعصب تو اس کا کوئی ملان نہیں اور اس متنبیانہ رویہ سے نہ حدیث کی صحت متاثر ہوتی ہے اور نہ ہی امام ابو حنیفہ کی ثقاہت اور جرات شان پر کوئی حرف آتا ہے۔

(۲) امام بیہقی کی نقل کردہ یہ حدیث صحیح الامت ہے امام دارقطنی: غیرہ کا یہ نکتہ اس حدیث کی سند میں ابو الولید "راوی مجہول ہے اس لئے یہ روایت ضعیف تا قابل استدلال ہے" اور حقیقت وہم کا نتیجہ ہے کیونکہ ابو الولید کوئی الگ شخصیت نہیں بلکہ یہ عبد اللہ بن شداد کی کنیت ہے امام حاکم لکھتے ہیں عبد اللہ بن شداد هو بنفسه ابو الوليد ومن هنا ومن بمعرفة الاسامي اور نہ مثل هذا الوهم امام حاکم نے یہی بات امام علی الدین سے بھی نقل کی ہے "عبد اللہ بن شداد اصله مكي وكنيته ابو الوليد روى عنه اهل الكوفة مرفعه الحديث ص ۸۷ علاوہ ازیں تہذیب احمد ج ۵ ص ۳۵۱ اور لسان المیزان ج ۲ ص ۲۳۸ وغیرہ میں بھی بھراست ۵۰ جو وہ ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)



ترجمہ: جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے ظہر یا عصر کی نماز میں کسی مقتدی نے قرأت کی تو ایک صاحب نے اشارے سے انہیں قرأت سے منع کیا وہ مانے نہیں اور نماز سے فراغت کے بعد منع کرنے والے سے کہا کیا تم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے مجھے قرأت کرنے سے منع کر رہے تھے وہ دونوں یہ گفتگو اس انداز میں کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے سن لیا اور ارشاد فرمایا اگر کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت ہی اس مقتدی کی قرأت ہے۔

تشریح: اس حدیث میں ظہر یا عصر کی نماز کا ذکر ہے جو سری نمازیں ہیں اور آپ کے پیچھے قرأت کرنے والے صرف ایک صاحب تھے مگر آپ نے شخص واحد کی قرأت کو بھی پسند نہیں فرمایا اور انہیں تنبیہ فرمائی کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی چاہئے کیونکہ امام کی قرأت ہی اس کیلئے کافی ہے علاوہ ازیں اگر بحالت اقتداء قرأت کی اجازت حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم میں معلوم و متعارف ہوئی تو دوران نماز صحابی اشارہ سے قرأت کرنے سے منع نہ کرتے نیز اگر بحالت اقتداء مقتدی کیلئے قرأت کرنی درست ہوتی بالخصوص سری نمازوں میں تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام منع کرنے والے کو ضرور تنبیہ فرماتے کہ ایک درست و جائز کام کی وجہ سے تم نے نماز کے خشوع و خضوع سے صرف نظر کر کے دوسری طرف توجہ کیوں کی الحاصل اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو بغیر کسی خارجی قرینہ کے خود یہ حدیث بتا رہی ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کیلئے قرأت کی گنجائش نہیں ہے۔

۱۸- عن جابر ان رجلاً قرأ خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم في الظهر او العصر فاما الىه رجل فنهاه فلما انصرف قال اتنها نبي ان اقرأ خلف النبي صلى الله عليه وسلم فتذاكرا ذاك حتى سمع

(بقیہ: گزشتہ صفحہ کا کہ ابو الولید عبد اللہ بن شداد کی کنیت ہے اسلئے بلا غبار اس روایت کی سند صحیح ہے امام ابن قدامہ نے بھی المغنی ج ۱ ص ۶۰۹ میں اس حدیث کی تخریج کی ہے جس میں حدیث کے آخری الفاظ ہیں فقال رسول الله ﷺ اذا كان لك امام بقرا فان قرأته لك قراة۔

النبي صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله ﷺ من صلى خلف الامام فان قرأته له قراة“ (۱) (روح المعانی ج ۹ ص ۱۳۴)

ترجمہ: جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ظہر یا عصر کی نماز میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے ایک شخص نے قرأت کی ایک صاحب نے اشارے سے انہیں اس سے منع کیا نماز سے فراغت کے بعد قرأت کرنے والے نے منع کرنے والے سے کہا کیا تم مجھے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کر رہے تھے، وہ دونوں بارے میں گفتگو کر رہے تھے جسے آنحضرت ﷺ نے سن لیا اور ارشاد فرمایا اگر کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت ہی اس مقتدی کی قرأت کے حکم میں ہے۔

۱۹- عن ابی الزبیر عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كان له امام فقرأ له قراة (۲) (مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۹)

(۱) یہ روایت امام ابو یوسف کی کتاب الاثر ص ۲۳ میں بھی ہے اس کے آخر میں ہے قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى خلف امام فان قرأ له قراة امام حاکم نے مستدرک ج ۱ ص ۳۹۶ ج ۲ ص ۲۳۳ میں ایک حدیث کی سند یہ بیان کی ہے اخیر نا بکر بن محمد حمدان القسیری نا عبد الصمد بن الفضل الملقی نا مکی بن ابو نعیم نا ابو حنیفہ نا موسیٰ بن ابی عافہ نا عبد الله بن شداد بن الہاد عن جابر بن عبد الله نا اس کے بارے میں لکھتے ہیں ”صحیح“ امام ذہبی نے تحفیس مستدرک میں حاکم کی موافقت کرتے ہوئے اس کی تصحیح فرمائی ہے یہ زیر نظر حدیث بھی ایچ ایم سند سے مروی ہے اس لئے اس کے صحیح ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

ایک غیر مقلد عالم لکھتے ہیں اس حدیث کے جملہ راوی سوائے ابو حنیفہ کے ثقہ ہیں امام ابو حنیفہ کا براہِ راست حدیث بخیر حال کے نزدیک ثقہ و ثبت ہیں اس لئے ان کی تصحیف بجز متداول و متداول کے بجا کے اپنے اندر کوئی حقیقت قائم رکھتی ہوگی معائنہ میں اور متقدم دین کی جرأت تصحیف سے روا ہیں حدیث بخیر حال ہونے لکھیں تو پھر یہ سلسلہ براہِ حال کے دفتر میں کوئی راوی مشکل ہی سے ثقہ اور ائمہ جلیلہ کا اس لئے ترمذیہ روایت صحیح لگاتا ہے۔

(۲) یہ حدیث بھی صحیح الاسناد متصل السند ہے چنانچہ حافظ شمس الدین ابن قدامہ لکھتے ہیں ”هذا السناد صحيح متصل وجا له كلهم ثقات“ (شرح المغنی الکبیر ج ۲ ص ۱۱۸ حاشیہ) حافظ شمس الدین یہ بھی صراحت کرتے ہیں۔ صلح انوک اہا زہر۔

جمہور محدثین کے نزدیک اتصال سند کے لئے امکان تھا کافی ہے اور حسن بن صالح کی ولادت ۱۰۰ میں ہوئی ہے اور ابو الزہر کی وفات ۱۲۸ھ میں اس لئے امکان لغائش کیا تر وہ ہے۔

ترجمہ: ابو الزبیر محمد بن مسلم بن تدرس صحابی رسول جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کسی کا امام ہو تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت کے حکم میں ہے۔

۲۰۔ عن ابی الزبیر عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کل من کان له امام فقرأه له قرأۃ (۱) (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۷)  
ترجمہ: جابر ابن عبد اللہ سے مروی ہے وہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہر شخص جو امام کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا ہے تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت کے حکم میں ہے۔

۲۱۔ عن ابی الزبیر عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ ﷺ من کان له امام فقرأه له قرأۃ، اتحاف الخیرہ المہرہ ج: ۲، ص: ۳۴۲۔ بروایت مسند عبد بن حمید، قال الامام البوصیری، والالوسی صحیح علی شرط مسلم۔

ترجمہ: ابو الزبیر جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی امام کا مقتدی ہو تو امام کی قرأت اس مقتدی کی قرأت کے حکم میں ہے

۲۲۔ عن عبد اللہ بن شداد بن الہاد قال ام رسول اللہ ﷺ فی العصر قال فقرأ رجل خلفه فغمزه الذی یلیہ فلما ان صلی قال لم غمزنی قال کان رسول اللہ ﷺ قد املك فکرمہ ان تقرأ خلفه فسمعه النبی ﷺ فقال من کان له امام فان قرأه له قرأۃ (۲) (موطاء محمد ص ۹۸)

(۱) اس روایت کے بھی تمام راوی شہید ہیں علامہ دینی لکھتے ہیں "هذا سند صحيح الوجه والفقہ ج ۲ ص ۵۹۰"  
(۲) یہ روایت بھی صحیح الاسناد ہے البتہ منزل ہے امام دار قطنی اور بیہقی وغیرہ جو محدثین اس روایت کو مر فوضیف کہتے ہیں وہ بھی سرسلاسل کو صحیح مانتے ہیں اگر راوی حدیث عبد اللہ بن شداد صحابی ہیں جیسا کہ حافظ ابن عبد البر وغیرہ کی رائے ہے تو اس کے متبوع و جہت ہونے میں کوئی کلام نہیں کیونکہ مراسل صحابہ باقی محدثین جہت ہیں اور اگر یہ تابعی تھے ہیں جیسا کہ اکثر ائمہ حدیث کا قول ہے جب بھی اس کی جہت ہے فہد ہے کیونکہ یہ ایسی منزل ہے جس کو روایت مرفوع نیز آہد (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ترجمہ: عبد اللہ بن شداد بن الہاد روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے نماز عصر کی امامت فرمائی ایک صاحب آپ کے پیچھے قرأت کرنے لگے تو ان کے قریب کے نمازی نے انہیں اشارہ کیا جب نماز سے فراغت ہو گئی تو قرأت کرنے والے نے پوچھا تم نے مجھے کیوں اشارہ کیا تو ان صاحب نے کہا چونکہ آنحضرت تمہارے امام تھے تو مجھے یہ پسند نہیں ہوا کہ تم بھی آنحضرت ﷺ کے پیچھے قرأت کر دینی کریم ﷺ نے اس گفتگو کو سن لیا اور فرمایا اگر کسی نے امام کی اقتداء کی تو امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہے (یعنی الگ سے مقتدی کو قرأت کی ضرورت نہیں)

تنبیہ: حضرات محدثین کی اصطلاح میں سند کے تعدد سے حدیث متعدد شمار کی جاتی ہے اسی اصول کے تحت ۱۴ سے ۲۲ تک کی حدیثوں کو الگ الگ شمار کیا گیا ہے۔

(بقیہ گذشتہ صفحہ کا) صحابہ اور فقہاء کے اقوال سے تقویت حاصل ہے اور ایسی منزل روایت ان محدثین کے نزدیک بھی جہت ہے جو مراسل کی جہت کے قائل نہیں اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ زیر بحث روایت کو مرفوعہ اور ایک جماعت روایت کرتی ہے چنانچہ جماعت غیر مقلدین کے پیشوا اے اعظم نواب صدیق حسن خاں کو بھی اس کا اعتراف ہے موصوف اپنی مشہور تصنیف ہدایت السائل ص ۲۰۲ پر لکھتے ہیں وہاں اہل حدیث بطرق متعدد ارسال اور فاعل دی شدہ دروے دلالت است بر آنکہ مؤئم در پس امام فاتحہ خواند زیرا کہ قرأت امام قرأت مؤتم است "یعنی یہ حدیث متعدد سندوں سے سرسلاہ مرفوعہ دی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے کیونکہ امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہے اور ہندوستان کے مشہور محقق عالم مولانا عبدالحی فرنگی محلی اس روایت کے بہت سارے طرق نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ان الطرق الحديث الذي نحن فيه بعضها صحيحه او حسنه وبعضها ضعيفه بنحجر ضعفها بغیرها من الطرق الکثیرہ فالقول بانہ حدیث غیر ثابت او غیر محتج بہ او نحو ذلك غیر معتمد بها (امام الکلام ص ۳۸) اس زیر بحث حدیث کی بعض سندیں صحیح یا حسن ہیں اور بعض ضعیف ہیں جن کا ضعف کثرت طرق سے دور ہو جاتا ہے لہذا یہ کہنا کہ یہ حدیث ثابت نہیں یا لاکن استدلال نہیں وغیرہ بالکل اعتبار بات نہیں ہے اور ضعیف الختام حاشیہ امام الکلام ص ۱۳۲ میں لکھتے ہیں "لو ادعی ان سند هذا الحديث أقوى من سند عبادة الابی ذکرہ او مثله لم یبعد فاف نصف" "مرد عوی کی کیا جائے کہ حضرت جابر کی اس حدیث کی سند حضرت عبادة کی روایت لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب" سے زیادہ قوی کیا تو ت میں اسی کے درجہ کی ہے تو (از روئے اصول محدثین) یہ دعویٰ صحت سے دور نہیں ہو گا لہذا انصاف پیش نظر رکھا جائے۔

۲۳- مالک عن ابن شہاب عن ابن اکیمة اللیثی عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ انصرف من صلوۃ جہر فیہا بالقرآۃ فقال هل قرأ معی منکم احدًا نفاقا قال رجل نعم انا یا رسول اللہ فقال رسول اللہ ﷺ اقول مالی انازع القرآن فانتهی الناس عن القرآۃ مع رسول اللہ ﷺ فیما جہر فیہ رسول اللہ ﷺ بالقرآۃ حین سمعوا ذالک من رسول اللہ ﷺ (۱)

(۱) یہ حدیث نہائی ج ۱ ص ۱۰۶ سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۲۰ مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۱ وغیرہ کتب حدیث میں بھی دیکھی جاسکتی ہے اس کے مرکزی راوی ابن اکیمة اللیثی مشہور ثقہ تابعین میں ہیں ابن تیمیہ فتاویٰ ج ۲ ص ۱۳۵ میں لکھتے ہیں کہ ابو حاتم البستی کے بقول ان سے روایت کرنے والوں میں امام زہری کے علاوہ خود ان کے پوتے عمر بن مسلم اور سعید بن ہلال ہیں نیز ایک چوتھے راوی ابو لحویری بھی ہیں دیکھتے مسند رک ج ۳ ص ۳۸۳ اس لئے حافظ عبد الرحمن مبارکپوری کا بارگاہ السنن ص ۱۵۵ میں انہیں مجہول کہنا اصول محدثین سے صریحاً خلاف ہے چنانچہ ابی اس غلطی کا تذکرہ تحت الاحوذی ج ۱ ص ۵۵۳ میں پائے الفاظ کیا ہے کہ ابن اکیمة ثقہ اور اسلاف تابعین میں سے ہیں فامد اللہ علی ذالک۔ پھر امام بخاری امام نووی امام بیہقی وغیرہ بزرگوں کی آثار میں آواز ملا کہ مولانا مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں فانتهی الناس عن القرآۃ حین سمعوا ذالک من رسول اللہ ﷺ کی زیادتی حضرت ابو ہریرہ کی بیان کردہ نہیں ہے بلکہ یہ امام زہری کا اپنا قول ہے کیونکہ امام لیث بن سعد اور ابن جریر بخاری روایت میں اس زیادتی کو بیان نہیں کرتے نیز امام ابو داؤد البصری امام زہری سے نقل کرتے ہیں کہ قال الزہری فاعتظ الناس فلم یکنوا یقرؤن (جزالقرآۃ ص ۲۳) لیکن ان کا برکایہ ثقہ بھی اصول محدثین سے چشم پوشی کا نتیجہ ہے کیونکہ خود امام بیہقی لکھتے ہیں کہ جو جملہ حدیث مرفوع کے ساتھ بیان ہو وہ مرفوع ہی ہو گا لایہ کہ اس کے مدرج ہونے پر قاطع دلیل قائم ہو (تحفیں الخیر: ص ۹۲۶) نیز حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ زہری سند اور احتمال محض سے اور ان ثابت نہیں ہو تا فتح الباری ج ۲ ص ۳۲۵۔

اور اس جملہ کے مدرج ہونے کی کوئی قوی عقلی و نقلی دلیل موجود نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس امام ابو داؤد بروایت ابن فابی مروح عن معمر عن الزہری نقل کرتے ہیں قال ابو ہریرہ فانتهی الناس عن القرآۃ ج ۱ ص ۱۲۰ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ خود ابو ہریرہ کا بیان کردہ ہے نہ کہ امام زہری کا مدرج ہے اور محدثین کا یہ سلسلہ فیصلہ ہے کہ معمر اہل بیت الناس فی الزہری ہیں اس لئے امام لیث اور ابن جریر کا اس جملہ کو نقل نہ کرنا اس کے مدرج ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا رہا مسئلہ امام ابو داؤد کی روایت کا تو بجا ہے کہ امام ابو داؤد محدث کبیر اور فقیہ امام ہیں مگر علماء جرح و تعدیل اس کی صحت کرتے ہیں کہ ان کی امام زہری سے تمام روایتیں ضعیف و کمزور ہیں اس لئے معمر کی روایت جو اہل بیت الناس فی الزہری ہیں کو چھوڑ کر امام ابو داؤد کی روایت کیونکر قبول کی جاسکتی ہے کیونکہ فقہاء محدثین کا یہ سلسلہ اصول ہے کہ صحیح و ضعیف میں تعارض ہو تو صحیح (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(مطالعہ مالک، ص ۲۹) ورواہ الترمذی وقال ہذا حدیث حسن، وقال الحافظ المغلطنی قال الترمذی ہذا حدیث حسن فی اکثر النسخ وبعضہا صحیح وقال الحافظ ابو علی طوسی فی کتاب الاحکام من تالیفہ ہذا حدیث حسن - وصححہ ابو بکر الخطیب فی کتابہ المدرج "الاعلام للمی: ج ۴، ص ۸۲، وصححہ ایضاً ابو حاتم الرازی وابن کثیر لفسیر القرآن ابن کثیر ج ۲: ص ۲۸۷۔

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک جہری نماز سے فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا کیا ابھی تم میں سے کسی نے میرے پیچھے قرأت کی ہے ایک صاحب بولے جی ہاں میں نے یا رسول اللہ ابو ہریرہ کہتے ہیں (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جی تو میں جی میں کہ رہا تھا میرے ساتھ قرأت قرآن میں منازعت کیوں ہو رہی ہے (آپ کے اس ارشاد کے بعد) جن

(بقیہ: گذشتہ صفحہ کا) مقبول اور ضعیف مردود ہوگی اس لئے ان بزرگوں کی جلات شان پر ایک سلسلہ اصول کو قربان نہیں کیا جاسکتا۔ مزید تحقیق و تفصیل کے لیے مسند احمد مع تظیل احمد شاکر ج ۱ ص ۲۵۸-۲۵۹ دیکھئے فتح احمد شاکر نے اس حدیث میں بڑی محققانہ اصولی بحث کی ہے۔

علاوہ ازیں امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں اگر بالفرض قاضی الناس جملہ کو امام زہری کا مدرج تسلیم کر لیا جائے تب بھی یہ اس بات کی نہایت وزنی دلیل ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ امام زہری اپنے عہد میں حدیث و سنت کے زبردست عالم تھے اگر امام کے پیچھے قرأت کرنا ضروری ہو تا تو یہ مسئلہ امام زہری سے کیسے غلط ہو سکتا تھا؟

جب امام زہری یہ فرماتے ہیں کہ جہری نمازوں میں لوگوں نے قرأت ترک کر دی تھی تو یہ اس بات کی روش اور معقول دلیل ہے کہ حضرات صحابہ اور تابعین امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔ اسی پر امام زہری نے انہیں عامل اور کار بند بنایا۔ فتاویٰ ج ۲: ص ۱۳۵۔

پھر قاضی الناس کا یہ جملہ جسے یہ اکابر امام زہری کا مدرج سمجھتے ہیں بالفرض سرے سے اس روایت میں نہ اور روایت "مالی انازع القرآن" پر ختم ہو جائے (جیسا کہ امام لیث اور ابن جریر کی روایت میں پر ختم ہو جاتی ہے) جب تک یہ حدیث جمہوری دلیل ہوگی کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے - بارے مقتدیوں میں سے صرف ایک شخص نے قرأت کی اور اس کو بھی آپ نے برداشت نہیں فرمایا نماز سے فارغ ہوتے ہی فوراً اس کے بارے میں پوچھا اور اس شخص کے اقرار کے بعد "مالی انازع القرآن" کے جملہ سے اس کی قرأت پر اپنی ناگواری کا اظہار فرمایا کیا اس منہی کے بعد بھی حضرات صحابہ کے ہاتھ میں یہ سوچا جاسکتا ہے کہ وہ باقاعدہ امام کے پیچھے قرأت کرتے رہے "نقد بر"۔

نمازوں میں آپ جبر سے قرأت کیا کرتے تھے حضرات صحابہ نے آپ کے پیچھے ان میں قرأت کرنی ترک کر دی۔

۲۴- عن عبد الله بن بحنة ان رسول الله ﷺ قال هل قرأ احد منكم انفا قالوا نعم قال انى اقول مالى انازع القرآن فانهى الناس عن القراءة معه حين قال ذلك (۱) (مسند احمد ج: ۵ ص: ۳۴۵)

ترجمہ: عبد اللہ بن بحنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا ابھی تم میں سے کسی نے میرے ساتھ قرأت کی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں (اس پر) آپ نے ارشاد فرمایا میں (اپنے جی میں) کہہ رہا تھا کہ کیوں مجھ سے قرأت قرآن میں منازعت کی جا رہی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں جبری نماز کی قید نہیں ہے لہذا یہ سری و جبری دونوں نمازوں کو شامل ہوگی اس حدیث سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اس تنبیہ کے بعد صحابہ نے آنحضرت ﷺ کے پیچھے سب نمازوں میں قرأت کرنی چھوڑ دی تھی۔ (احکام القرآن ج: ۳ ص: ۵۲)

پھر اگر اس روایت میں جبر کی قید بھی ہو جیسا کہ مجمع الزوائد ج: ۲ ص: ۱۱۰ کی ایک روایت میں ہے ”صلی صلوٰۃ یجہر فیہا“ تو یہ حدیث بغیر کی تردید کے

(۱) اس حدیث پر امام بزار اور امام بیہقی نے یہ نقد کیا ہے کہ اس روایت میں راوی محمد بن عبد اللہ بن مسلم نے خطا کی ہے اصل روایت میں ابن ابی ہریرہ تھے لیکن انہوں نے عن ابی بحنہ کر دیا۔ لیکن اس حدیث کے بارے میں امام بیہقی کا ترجمہ رجالہ رجال الصالحین کہنا یہ کہ حضرات کی تردید کے لیے کافی ہے کیوں کہ ابن ابی ہریرہ بخاری کے راوی نہیں ہیں۔ نیز علامہ ہاشم بن عبد الغفور سند میں اپنے رسالہ تنقیح الکلام فی تلخیص عن القراءۃ خلف الامام میں لکھتے ہیں کہ ان حضرات کا یہ نقد ساقط ہے کیوں کہ لا امتناع فی ان الحديث الواحد مرويا من صحابین بسند واحد وبسندین مختلفین ولم یقل بامتناعه احد فیما علمنا من لعل العلم بالحديث (غیت الختام ص: ۱۱۶)

پھر اگر باقر بن عثمان رضی اللہ عنہما کے اعتراض تسلیم کر لیا جائے جب بھی حدیث کی صحت کے لیے یہ معز نہیں ہو گا کیوں کہ ابن ابی ہریرہ بھی ثقہ و معروف ہیں اس لیے یہ اعتراض برائے اعتراض ہی ہے۔

جبری نمازوں میں ترک قرأت خلف الامام پر حدیث سابق کی طرح صریح دلیل ہے۔

۲۵- عن ابی ہریرۃ قال قال رسول الله ﷺ ما کان من صلوۃ یجہر فیہا الامام بالقراءۃ فلیس لا حدان یقرأ معہ (۱) (کتاب القراءۃ للبیہقی ص: ۹۹ و ص: ۱۲۲ طبع اشرف پریس)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جن نمازوں میں امام جہراً قرأت کرتا ہے تو کسی کو حق نہیں کہ وہ امام کیساتھ قرأت کرے۔

۲۶- عن ابی ہریرۃ قال قال رسول الله ﷺ کل صلوۃ لا یقرأ فیہا بام الکتاب فہی فداج الا صلوۃ خلف الامام (۲) (کتاب القراءۃ للبیہقی طبع دہلی ص: ۱۷۱)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا

(۱) اس حدیث کے جملہ راوی ثقہ ہیں پھر یہ حدیث اس بارے میں سر تک ہے کہ جبری نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدی کو قرأت کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ قلیس لاحد ان یقرأ معہ کو قلیس لاحد ان یقرأ معہ غیر سورۃ الفاتحہ قرار دینا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مطلق کو بلا دلیل متبدل کرنا بدیہی غلطی اور حکم حق ہے جس کو لا کی دنیا میں کوئی متبدل نہیں۔

اسی طرح امام بیہقی کا اس حدیث کو منکر کہنا بھی بے جا ہے کیوں کہ محدثین کی اصطلاح میں کثیر الغلط و الغلط کی روایت یا ضعیف کی ثقہ راویوں کے مخالف روایت منکر کہلاتی ہے۔ جبکہ اس حدیث کے جملہ راوی ثقہ ہیں اس لیے بقول مولانا سید کبیر میمن بیہقی اگرچہ مشہور محدث ہیں مگر ان کا کوئی قول بلا دلیل معتبر نہیں ہو سکتا (تحقیق الکلام ج: ۳ ص: ۳۲)

لہذا یہ حدیث بلا غبار مقبول و لا نقی استدلال ہے۔ پھر درود زبردستی سے اسے رد نہیں کیا جاسکتا۔ (۲) اس حدیث کے جملہ راوی ابتدائے سند سے صحیحی رسول حضرت ابو ہریرہ تک سب کے سب ثقہ اور قابلِ محبت ہیں اس موقع پر یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ سند کے آخری راوی عبد اللہ بن مسعود اصحاب جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں یہ ”المدنی“ ہیں ”ابو اسلمی“ نہیں ہیں اور عبد اللہ بن مسعود المدنی صحیح مسلم کے راویوں میں سے ہیں امام بیہقی کو ہم وہ بھی ہے کہ انہوں نے المدنی کو عبد اللہ بن مسعود اصحابی سمجھ لیا اور اسی بنیاد پر ان کے بارے میں امام بیہقی بن مسعود اور امام احمد کی جرح نقل کر دی دیکھئے فصل الخطاب تالیف محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیری ص: ۸۰ تا ۸۱ اصل مذکورہ حدیث ج: ۱۱۱ اسناد ہے اور ترک قرأت خلف الامام پر علی الاطلاق صریح ہے۔

ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے سوائے اس نماز کے جو امام کی اقتداء میں پڑھی جائے۔

تشریح: اس حدیث میں "ام الكتاب" اور "خلف الامام" کی قید بطور خاص ملحوظ رہے کہ آپ نے تمام نمازوں میں سورۃ فاتحہ کی قرأت ضروری قرار دی ہے مگر مقتدی کے لیے اس کی قرأت کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ علاوہ ازیں امام بیہقی وغیرہ نے جہاں قرأت سے "ما زاد علی الفاتحہ" مراد لے کر مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی گنجائش پیدا کرنے کی کوشش کی تھی اس روایت نے اس تاویل کے دروازہ کو بھی بند کر دیا ہے۔

۲۷- عن الحسن بن ابی بکرۃ رحمہ اللہ انہ انتہی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو راكع فركع قبل ان یصل الی الصف فقال زادک اللہ حرصاً ولا تعد (بخاری، ج: ۱، ص: ۹۰)

ترجمہ: حسن بصریؒ حضرت ابو بکرہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (نماز میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس حال میں پہنچے کہ آپ رکوع میں تھے۔ چنانچہ ابو بکرہ صف میں ملنے سے پہلے رکوع میں چلے گئے (اور دیر سے دیر سے چل کر صف میں مل گئے) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے کار خیر کا اجر دے کر عیسیٰ بنائے اور آئندہ ایسا نہ کرنا۔

تشریح: ظاہر ہے کہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکرہ رحمہ اللہ بغیر سورۃ فاتحہ پڑھے رکوع میں شامل ہو گئے تھے پھر بھی ان کی رکعت، اور نماز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح اور مکمل قرار دیا اسی بناء پر اس نماز کے اعادہ کا حکم نہیں دیا۔ معلوم ہوا کہ مقتدی پر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب فرض نہیں ورنہ ان کی یہ نماز کیسے صحیح ہوتی۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرہ رحمہ اللہ کے رکوع میں جانے کو نظر کراہت نہیں دیکھا جیسا کہ بعض غیر مقلد علماء اسے باور کرانے کے درپے ہیں بلکہ صف میں پہنچنے سے پہلے نماز شروع کرنے اور پھر چل کر صف سے ملنے کو ناپسند فرمایا۔ لہذا بعد، کو بعض محدثین لا تغدو، پڑھتے ہیں یعنی نماز کے لیے دوڑ

کرنے آؤ بلکہ اطمینان و وقار سے چلو، اور بعض لا تغدو پڑھتے ہیں یعنی پھر دوبارہ تنہا صف کے پیچھے نماز شروع کرنے کی حرکت نہ کرنا۔ عام علماء نے اسی کو مانج کہا ہے، اور بعض حضرات لا تغدو پڑھتے ہیں یعنی تمہاری نماز بالکل درست ہے اس کا اعادہ نہ کرو۔ (حاشیہ مشکوٰۃ، ص: ۹۹)

تنبیہ: جمہور فقہاء اسلام اور ائمہ اربعہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ مد رک رکوع یعنی رکوع پا جانے والا اثر عار کحت پا جاتا ہے شروع حدیث اور کتب فقہ میں تفصیل دیکھی جاسکتی ہے اس لیے بعض علمائے غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ رکوع پانے سے رکعت نہیں ملے گی کیوں کہ اس صورت میں سورۃ فاتحہ کی قرأت چھوٹ گئی۔ قابل التفات نہیں۔

۲۸- عن ابی صالح السمان عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قال الامام (غیر المغضوب علیہم ولا الضالین) فقولوا آمین، فانه من وافق قوله قول الملائکۃ غفر له ما تقدم من ذنبه (الموطأ امام مالک، ص: ۳۰) والحديث اخرجه البخاری عن عبد اللہ بن مسلمۃ عن مالک به انظر الزرقانی علی الموطأ، ج: ۱، ص: ۱۸۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" کہے تو تم لوگ آمین کہو کیوں کہ جس کا قول فرشتوں کے قول کے موافق ہو گیا اس کے سارے گزشتہ گناہ بخش دئے جاتے ہیں۔

۲۹- عن ابی ہریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا قال الامام (غیر المغضوب علیہم ولا الضالین) فقولوا آمین فان الملائکۃ تقول آمین، وان الامام يقول آمین فمن وافق قامینہ تامين الملائکۃ غفر له ما تقدم من ذنبه۔

(رد المحتار، ج: ۲، ص: ۲۳۳۔ والنسائی، ج: ۱، ص: ۱۰۷۔ والدارمی، ج: ۱، ص: ۲۲۸۔ ذکرہ الامام بیہقی فی شرح السنۃ وقال بہ احمد بن حنبل، ج: ۳، ص: ۶۰)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب

امام (غیر المغضوب علیہم ولا الضالین) کہے تو تم آمین کہو فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور امام بھی آمین کہتا ہے تو جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو گئی اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں۔

تشریح: یہ حدیث بھی یہی بتا رہی ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی سورۃ فاتحہ وغیرہ کی قرأت نہیں کریں گے اس لیے کہ اگر امام کی اقتداء میں ہوتے ہوئے بھی ان کے ذمہ قرأت ہوتی تو نبی کریم ﷺ یہ نہ فرماتے کہ جب امام (غیر المغضوب علیہم ولا الضالین) کہے تو تم آمین کہو بلکہ یہ فرماتے کہ جب تم سورۃ فاتحہ پڑھ چکو تو آمین کہو۔ چنانچہ الامام الحافظ ابو عمر ابن عبد البر لکھتے ہیں۔

”وفی هذا الحديث دلاله على ان المأموم لا يقرأ خلف الإمام اذا جهز لا بام القرآن ولا بغيرها، لان القراءة بهالو كانت عليهم لا مرهم اذا فرغوا من فاتحة الكتاب ان يؤمن كل واحد منهم بعد فراغه من قرأته: لان السنة فيمن قرأ بام القرآن ان يؤمن عند فراغه، ومعلوم ان المأمومين اذا اشتغلوا بالقراءة خلف الإمام لم يكادوا يسمعون فراغه من قراءة فاتحة الكتاب، فكيف يؤمرون بالتأمين عند قول الإمام (ولا الضالين) ويومرون بالاشتغال عن استماع ذلك هذا مالا يصح“ (التمهيد ج ۲۲ ص ۱۷)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ امام کے پیچھے جبکہ امام جہری قرأت کرے مقتدی نہ سورۃ فاتحہ کی قرأت کریں نہ کسی اور سورۃ کی کیونکہ اگر ان پر سورۃ فاتحہ کی قرأت ضروری ہوتی تو انہیں یہ حکم ہوتا کہ جب سورۃ فاتحہ پڑھ کر فارغ ہو جائیں تو ان میں سے ہر شخص آمین کہے اس لئے کہ شرعی طریقہ یہی ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد ہر شخص آمین کہتا ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ مقتدی جب امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے میں مشغول رہیں گے تو وہ امام کے قرأت فاتحہ سے فارغ ہونے کو اچھی طرح سن نہ سکیں

گے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انہیں امام کے (ولا الضالین) کہنے کے وقت آمین کہنے کا حکم دیا جائے اور ساتھ ہی اس کی قرأت کی طرف سے عدم توجہ کا بھی حکم دیا جائے (ان دونوں باتوں میں تضاد ظاہر ہے اس لیے یہ صحیح نہیں ہو سکتا۔

۳۰۔ عن ابن عباس قال لما مرض رسول الله ﷺ مريضه الذي مات فيه كان في بيت عائشة فقال ادعوا لي عليا قالت عائشة ندعوك ابا بكر قال ادعوه قالت حفصة ندعوك لك عمر قال ادعوه قالت ام الفضل يا رسول الله ندعوك العباس قال نعم فلما اجتمعوا رفع رسول الله ﷺ رأسه فنظر فسكت فقال عمر قوموا عن رسول ﷺ ثم جاء بلال يؤذنه بالصلوة فقال مروا ابا بكر فليصل بالناس فقالت عائشة يا رسول الله ان ابا بكر رجل رقيق حصر ومتى لا يراك يبكي والناس يكون فلو امرت عمر يصل بالناس، فخرج ابو بكر فصلى بالناس فوجد رسول الله ﷺ من نفسه خفة فخرج يهادى بين رجلين ورجلاه تخطان في الارض فلما رآه الناس سبحوا بابي بكر فذهب ليتأخر فآوى اليه النبي ﷺ اى مكانك، فجاء رسول الله ﷺ فجلس عن يمينه وقام ابو بكر وكان ابو بكر يأتى بالنبي ﷺ والناس يأتون بابي بكر، قال ابن عباس واخذ رسول الله ﷺ من القراءة من حيث كان بلغ ابو بكر، الحديث (ابن ماجه، ص: ۸۸ ومسند احمد، ج: ۱، ص: ۲۳۲، وطحاوى، ج: ۱، ص: ۲۷۶) وقال الحافظ ابن حجر اسناد احمد وابن ماجه قوى فتح البارى، ج: ۵، ص: ۶۲۹. وقال فى موضع آخر واسناده حسن فتح البارى، ج: ۲، ص: ۱۳۸. وقال الحافظ ابن عبد البر فهذا حديث صحيح عن ابن عباس التمهيد، ج: ۲۲، ص: ۳۲۲.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ مرض و فاقات میں مبتلا ہوئے تو آپ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا علی رضی اللہ عنہ کو بلاؤ، حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بلا دیں۔ آپ نے فرمایا بلاؤ، ام المؤمنین حضرت حفصہ بولیں حضرت عمر کو بھی بلا لیں، آپ ﷺ نے فرمایا

بلالو، حضرت ام فضل نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ عباس کو بھی بلا لیں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ جب یہ سب حضرات آگئے تو آپ نے سر مبارک اٹھا کر دیکھا اور خاموش رہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا (اس وقت) آپ کے پاس سے اٹھ جاؤ، اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آکر آپ کو نماز کی اطلاع دی، آپ نے فرمایا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، (یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ابو بکر نہایت رقیق القلب اور نرم دل ہیں جب آپ کو نماز میں نہیں دیکھیں گے تو رونے لگیں گے اور لوگ بھی رو پڑیں گے اگر حضرت عمر کو نماز پڑھانے کا حکم فرمائیں تو بہتر ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے حکم پر) حضرت ابو بکر آئے اور لوگوں کو نماز پڑھانے لگے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے اندر کچھ افاقہ اور مرض میں خفت محسوس کی تو آپ دو آدمیوں کے سہارے (حجرہ شریفہ) سے بائیں حال نکلے کہ آپ کے پائے مبارک زمین سے ٹک رہے تھے۔ جب لوگوں نے آپ کو دیکھا تو (حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو متنبہ کرنے کی غرض سے) سبحان اللہ کہا حضرت ابو بکر پیچھے ہٹنے لگے تو آپ نے اشارہ کیا کہ اپنی جگہ ٹھہرے رہو، آنحضرت ﷺ (حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس) پہنچے اور ان کے دائیں جانب بیٹھ گئے۔ حضرت ابو بکر کھڑے آپ کی اقتداء کر رہے تھے (اور بحیثیت مکتبہ کے) لوگ حضرت ابو بکر کی اقتداء کرنے لگے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ”فاخذ رسول اللہ ﷺ من القراءۃ من حیث کان بلغ ابو بکر یعنی رسول اللہ ﷺ نے قرأت اسی جگہ سے شروع فرمائی جہاں تک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پہنچے تھے۔ اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فاستفتح رسول اللہ ﷺ من حیث انتہی ابو بکر من القراءۃ .

(اتبہ، ج ۲، ص ۳۲۲)

حدیث مذکور سے ظاہر ہے کہ آں حضرت ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز شروع ہو چکی تھی۔ چوں کہ آپ مریض تھے اور شدت نقاہت کی بناء پر دو آدمیوں کے سہارے اس حال

میں آئے کہ پائے مبارک زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ اس لیے ظاہر یہی ہے کہ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے ہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سورہ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہو چکے ہوں گے اور اس بات میں تو قطعاً شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ سورہ فاتحہ اگر مکمل نہیں تو اس کا اکثر حصہ نبی کریم ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے پڑھا جا چکا تھا۔ اور آپ ﷺ نے قرأت اسی حصہ سے شروع کی جہاں تک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پڑھ چکے تھے۔ اس لیے لازمی طور پر آپ نے اس نماز میں پوری فاتحہ یا اس کا اکثر نہیں پڑھا۔ حضرت امام شافعی اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے تصریح کی ہے کہ مرض وفات کے دوران آپ نے صرف یہی ایک نماز جماعت سے اور فرمائی تھی (کتاب الام، ج ۲، ص ۱۸۸، فتح الباری، ج ۲، ص ۱۳۵) اس لحاظ سے آپ کے اس آخری عمل سے بھی یہی آشکارا ہے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ ضروری نہیں۔ اور امام بخاری نے اس کی بھی صراحت کی ہے کہ یہ ظہر کی نماز تھی جس سے معلوم ہوا کہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے ترک قرأت نہ صرف یہ کہ سنت رسول ﷺ ہے بلکہ یہی آپ کا آخری عمل ہے۔

الغرض حضرت موسیٰ اشعری، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس بن مالک، حضرت عمران بن حصین، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت عبد اللہ بن بحینہ، حضرت ابو بکر، اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے منقول یہ تین احادیث جو اصول محدثین کے اعتبار سے صحیح و جید الاسناد ہیں۔ اور ان میں سے اکثر کی ائمہ حدیث نے تصحیح و تحسین کی ہے صاف بتا رہی ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی پر سورہ فاتحہ وغیرہ کا پڑھنا ضروری نہیں بلکہ نہ پڑھنا ہی اولیٰ و احوط ہے۔ اس سے ایک حقیقت پسند اور منصف مزاج بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے والے بے دلیل نہیں ہیں جیسا کہ علماء غیر مقلدین پر پیگندہ کرتے پھرتے ہیں۔ آئندہ صفحات میں آثار صحابہ ملاحظہ کیجئے۔

## آثار صحابہ ﷺ

اللہ تعالیٰ نے جس دین کو ختمی مرتبت ﷺ پر مکمل فرمایا اسکی تاریخ اصحاب رسول سے شروع ہوتی ہے۔ خاتم الانبیاء کے یہی خاصان خاص کاروان اسلام کے پیشرو ہیں جن کی قیادت و رہنمائی میں قافلہ امت آگے بڑھا ہے۔ یہی وہ قدسی صفات جماعت ہے جسے خدائے حکیم و قدیر نے اخلاق فاضلہ کی جلا بخشی تھی جنہیں کفر و گناہ اور حکم عدولی و نافرمانی سے نفرت از حکم شریعت نہیں بلکہ از راہ طبیعت حاصل تھی دربار نبوت سے وابستہ یہی معزز و منتخب شخصیتیں وحی الہی کی اولین مخاطب اور رسول خدا ﷺ سے براہ راست تربیت یافتہ ہیں اس لیے دینی احکام و مسائل میں کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے بعد جن کی طرف نگاہیں اٹھ سکتی ہیں وہ صحابہ کرام ہی ہو سکتے ہیں پھر تابعین کی خیر و صلاح سے معمور جماعت ہے کیوں کہ یہی وہ مبارک لوگ ہیں جو خیر القرون کی صاف و شفاف ایمان پرور فضاؤں میں پروان چڑھے ہیں اور انہیں کے علم و عرفان کے چشموں سے دنیا کو علم و ایمان کی تازگی نصیب ہوئی ہے۔ صحابہ کرام اشرف صحبت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی بناء پر سب کے سب عادل، ثقہ، خدا پرست، راست باز اور سیرت و کردار کی پاکیزگی میں اعلیٰ مقام پر فائز، اور آسمان رشد و ہدایت کے چمکتے ستارے تھے۔ پھر بھی تدبر قرآن اور فہم حدیث میں سب یکساں نہیں تھے بلکہ اس لحاظ سے ان کے درجات و مراتب میں تفاوت تھا۔ چنانچہ تابعی کبیر امام سروق بیان کرتے ہیں میں نے صحابہ کرام سے اکتساب فیض کیا تو میں نے دیکھا سب کا علم ان چھ بزرگوں تک لوٹتا ہے۔ حضرت عمر فاروق، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عبد اللہ بن

مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوالدرداء اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم پھر ان بزرگوں سے اکتساب فیض پر معلوم ہوا کہ ان سب حضرات کا علم حضرت علی اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما پر منتہی ہو جاتا ہے۔ (طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۲۵۰)

اور ایک دوسرے مشہور تابعی امام شعبی فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ میں دینی احکام و مسائل میں فیصلہ کرنے والے چھ حضرات تھے تین مدینہ منورہ میں جن کے اسماء یہ ہیں، حضرت عمر، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، اور تین کوفہ میں، حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ (متدرک حاکم، ج ۳، ص ۲۶۵)

مولانا عبدالرحمن مبارکپوری نے بھی تحفۃ الاحوذ میں حضرات صحابہ کو ترویج علم و فقہ کے اعتبار سے تین طبقات میں تقسیم کیا ہے تیسرے طبقہ جس سے احکام شریعت کی کثرت سے اشاعت ہوئی ان میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عائشہ صدیقہ، زید بن ثابت، حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ (ج ۱، ص ۱۱)

آپ آئندہ سطور میں دیکھیں گے کہ ان میں بیشتر وہ حضرات ہیں جو قرأت خلف الامام کے قائل نہیں تھے، اس مختصر ضروری تمہید کے بعد حضرات صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے کچھ آثار و اقوال پیش کئے جا رہے ہیں۔

## آثار حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

۱- عن یسیر بن جابر قال صلی ابن مسعود فسمع ناسا یقرأون مع الامام فلما انصرف قال اما آن لکم ان تفہموا اما آن لکم ان تعقلوا و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کما امرکم اللہ (جامع البیان لابن جریر الطبری، ج ۱، ص ۲۱۶ و تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۲۶۸ و الدر المنثور للمیوطی، ج ۳، ص ۶۳۵ و زاد نسیۃ الی عبد بن حمید و ابن ابی حاتم و ابی الشیخ)



ترجمہ: یسیر بن جابر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی تو کچھ لوگوں کو امام کے ساتھ قرأت کرتے سنا جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم لوگ فہم عقل سے کام لو، جب قرآن کی قرأت کی جائے تو تم اس کی طرف دھیان دو اور چپ رہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔

۲- عن ابی وائل ان رجلا سال ابن مسعود عن القراءة خلف الامام فقال: انصت للقرآن فان في الصلوة شغلا وسيكتفك الامام (مصنف عبدالرزاق، ج: ۲، ص: ۱۳۸، ومصنف ابن ابی شیبہ، ج: ۱، ص: ۳۷۶، وموطا امام محمد، ص: ۹۶، والسنن الکبریٰ، ج: ۲، ص: ۱۶۰، وقال الفہمی رجالہ موثق مجمع الزوائد، ج: ۲، ص: ۱۱۰)

ترجمہ: ابو وائل کہتے ہیں کہ ایک شخص نے امام کے پیچھے قرأت کرنے کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا قرأت کے وقت خاموش رہ کیوں کہ امام نماز میں قرأت میں مشغول ہے اور تمہیں امام کی قرأت کافی ہے۔

۳- عن علقمة بن قیس ان عبد اللہ بن مسعود کان لا یقرأ خلف الامام فیما یجہر فیہ فیما یخافت فیہ فی الاولین والانی الاخرین "الحديث (الموطا امام محمد، ص: ۹۶) "ذکرناہ للمتابعۃ لتدبر ولا تکن من الغافلین" ترجمہ: علقمہ بن قیس بیان کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے، نہ جہری نمازوں میں نہ سری نمازوں میں اور نہ پہلی رکعتوں میں نہ آخری رکعتوں میں۔

۴- عن علقمة عن عبد اللہ بن مسعود قال لان اعرض علی جمر الغضا احب الی من ان اقرأ خلف الامام (کتاب القراءة للبیہقی، ص: ۱۴۵)

ترجمہ: علقمہ حضرت عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا مجھے جھڑ

کے انگارے و انتڑوں سے کاٹنا زیادہ پسند ہے کہ میں امام کے پیچھے قرأت کروں۔

۵- عن علقمة عن ابن مسعود قال: لیت الذی یقرأ خلف الامام ملئی فوہ ترابا (رواہ الطحاوی، ج: ۱، ص: ۱۵۰، ومصنف عبدالرزاق، ج: ۲، ص: ۱۳۸، وآثار السنن، ج: ۸۹، واسنادہ حسن)

ترجمہ: علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کاش کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کے منہ میں مٹی بھری ہوئی ہو۔

### آثار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

۱- مالک عن نافع ان عبد اللہ بن عمر کان اذا سئل هل یقرأ احد خلف الامام قال: اذا صلی احدکم خلف الامام فحسبہ قراءة الامام واذا صلی وحده فلیقرأ، قال: وکان عبد اللہ بن عمر لا یقرأ خلف الامام (۱) (موطا مالک، ص: ۶۸، واسنادہ من اصبح الاسانید عبد البخاری)

ترجمہ: امام مالک بواسطہ نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب پوچھا جاتا کہ کیا کوئی امام کے پیچھے قرأت کر سکتا ہے؟ تو آپ فرماتے کہ تم میں سے کوئی جب امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اسے امام کی قرأت کافی ہے اور جب تنہا نماز ادا کرے تو خود قرأت کرے۔ اور نافع کہتے ہیں کہ

(۱) اس سند سے رفع یدین کی حدیث مروی ہے اس لیے اس کی سند پر کلام چوکہ خلاف صحت تھا اس لیے اس صحیح روایت کو بزم خویش فیہر ج کتابت کرنے کے لیے محدث کبیر مولانا حافظ عبد الرحمن مبارکپوری نے ایک قاعدہ ایجاد فرمایا چنانچہ ابکار السنن، ص: ۱۶۵ پر قسط درج ہیں کہ ابن عمر کا یہ اثر حضرت عمر کے اس اثر سے جو در قسطنطنیہ، ج: ۱۱، ص: ۱۲۰ وغیرہ میں ہے معارض ہے اور حضرت عمر اپنے بیٹے عبداللہ سے سنت کے زیادہ بڑے عالم تھے اس لیے حضرت عمر کے اثر کے مقابلہ میں ابن عمر کا اثر سر جوں ہوگا۔

لیکن پھر خود ہی اسی کتاب ابکار السنن، ص: ۲۲۳ پر لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کا اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر سے بحر دالم ہائے (سنت کو زیادہ جانا) ہوتا اس کا متعنی نہیں ہے کہ حضرت عمر کے اثر کو ابن عمر کے اثر پر ترجیح دی جائے "بہر اس تضاد بیانی پر اس کے سوالور کیا کہہ سکتے ہیں جو چاہے آپ کا حسن اثر نہ مار کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمر امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔

۷- اخبرنا عبید اللہ بن عمر بن حفص عن نافع عن ابن عمر قال: من صلی خلف الامام کفته قرآنہ (موطأ محمد: ۹۷ و اسنادہ جید) ترجمہ: امام محمد عبید اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب کے واسطہ نافع سے نقل کرتے ہیں کہ نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز ادا کرے اسے امام کی قرأت کافی ہے۔

۸- عن انس بن سیرین قال: سألت ابن عمر اقرأ مع الامام؟ فقال: انک لضخم البطن (تکفیک ۱۱) قرأ الامام (مصنف عبدالرزاق: ج: ۲، ص: ۱۴۰ و کتاب الفراء للبیہقی ۱۵۷ والجوہر النقی مع السنن الکبری: ج: ۲، ص: ۱۶۳ وسندہ صحیح)

ترجمہ: (امام محمد بن سیرین کے بھائی) انس بن سیرین سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا امام کے پیچھے میں قرأت کر سکتا ہوں؟ تو حضرت ابن عمر نے فرمایا تم تو مولے پیٹ کے ہو (یعنی بیوقوف ہو) تمہیں امام کی قرأت کافی ہے۔

۹- عن زید بن اسلم عن ابن عمر کان یبھی عن القراءة خلف الامام (مصنف عبدالرزاق: ج: ۲، ص: ۱۴۰ وسندہ صحیح)

ترجمہ: زید بن اسلم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتے تھے۔

۱۰- عن القاسم بن محمد قال: کان ابن عمر لا یقرأ خلف الامام جہراً ولم یجہر، الحدیث (کتاب الفراء للبیہقی، ص: ۱۸۴ وقال اخرجه سفیان الثوری فی جامعہ و رجالہ رجال الجماعہ)

ترجمہ: قاسم بن محمد بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر امام کے پیچھے قرأت نہیں

(۱) سقط فی المصنف قوله تانکفیک وهو موجود فی کتاب الفراء للبیہقی.

کرتے تھے خواہ امام بلند آواز سے قرأت کرے یا آہستہ قرأت کرے۔

۱۱- عن ابن ذکوان عن زید بن ثابت وابن عمر کا نالا یقرآن خلف الامام (مصنف عبدالرزاق: ج: ۲، ص: ۱۴۰ و مذکوران ثلاثة ابناء: سهل وصالح و عباد و کلهم ثقة قالہ ابن معین و اسنادہ صحیح)

۱۲- عن عبید اللہ بن مقسم انه سأل عبد اللہ بن عمر، وزید بن ثابت وجابر بن عبد اللہ فقالوا: لا یقرأ خلف الامام فی شیء من الصلوات (معانی الآثار للطحاوی، ج: ۱، ص: ۱۵۰ وقال النیموی اسنادہ صحیح آثار السنن، ج: ۱، ص: ۸۹)

ترجمہ: عبید اللہ بن مقسم روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم سے (امام کے پیچھے قرأت کے بارے میں پوچھا) تو تینوں حضرات نے فرمایا کسی بھی نماز میں امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے۔

### آثار حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

۱۳- عن عطاء بن یسار انه اخبره انه سأل زید بن ثابت عن القراءة مع الامام فقال لا قراءة مع الامام فی شیء (صحیح مسلم، ج: ۱، ص: ۲۱۵ ومن نسائی، ص: ۱۱۱ و طحاوی، ج: ۱، ص: ۱۲۴)

ترجمہ: عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے امام کے ساتھ قرأت کرنے کے بارے میں پوچھا، تو آپ نے فرمایا امام کے ساتھ کسی نماز میں قرأت نہیں ہے۔

تخریج: نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں "وزید بن ثابت رضی اللہ عنہ گفتہ "لا قراءة مع الامام فی شیء" رواہ مسلم وعن جابر رضی اللہ عنہ بمعناه وهو قول علی رضی اللہ عنہ، وابن مسعود رضی اللہ عنہما (ہدایت السائل، ص: ۱۹۳)

زید بن ثابت نے فرمایا امام کے ساتھ بالکل قرأت نہیں کی جائیگی

حضرت جابر بھی یہی کہتے ہیں اور حضرت علیؓ عبد اللہ بن سعود اور بہت سارے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی قول ہے۔ ”کثیر من الصلوة“ کو بطور خاص پیش نظر رکھا جائے۔

۱۴- عن موسى عن زيد بن سعيد بن ثابت قال: من قرأ مع الامام فلا صلوة له (۱) (مصنف عبدالرزاق، ج: ۲، ص: ۱۳۷) وكذا رواه ابن ابي شيبة في مصنفه عن وكيع عن عمر بن محمد عن موسى بن سعيد ورواه الامام محمد في الموطأ، ص: ۱۰۲. واسناده صحيح على قاعدة الامام مسلم والجمهور الذين يكفون في اتصال السند بإمكان اللقاء دون التصريح بالسماع حقيقة)

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ کے پوتے موسیٰ بن سعید سے روایت ہے کہ ان کے دادا حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس کی نماز (کامل) نہیں ہوئی۔

۱۵- عن عطاء بن يسار عن زيد بن ثابت قال: لا قراءة خلف الامام (مصنف ابن ابي شيبة، ج: ۱، ص: ۳۷۶)

ترجمہ: عطاء بن یسار حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا امام کے پیچھے قرأت نہیں ہے۔

## آثار حضرت جابر بن عبد اللہؓ

۱۶- عن ابي نعيم وهب بن كيسان انه سمع جابر بن عبد الله يقول: من صلى ركعة لم يقرأ فيها بام القرآن فلم يصل الا وراء الامام (الموطأ، ص: ۲۸) واسناده صحيح واخرجه الترمذی، ج: ۱، ص: ۷۱ وقال

(۱) ومعنى قوله فلا صلوة له اي لا صلوة له كاملة وما قاله الحافظ ابن عبد البر قول زيد بن ثابت: من قرأ خلف الامام فصلاته تامة يدل على فساد ما روى عنه اي في هذه الرواية قلت كلا فان معنى قوله فصلاته تامة اي صحيحة لا اعادة على فاعلها وهذا لازم في الكراهة فلا نعارض من قوله. والله اعلم (اعلاء السنن، ج: ۴، ص: ۸۸) تعليقاً مع تغير يسير.

هذا حديث حسن صحيح واخرجه ابن ابي شيبة، ج: ۱، ص: ۳۷۶ والطحاوی والبيهقي في

السنن الكبرى، ج: ۱، ص: ۱۶۰ وقال هذا هو الصحيح عن جابر من قوله غير مرفوع) ترجمہ: ابو نعیم وہب بن کیسان روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی تو گویا اس نے نماز نہیں پڑھی مگر جب کہ وہ امام کے پیچھے ہو (یعنی جب امام کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا ہے تو اب اس پر قرآن ضروری نہیں ہے۔

۱۷- عن عبيد الله بن مقسم عن جابر قال: لا يقرأ خلف الامام (مصنف ابن ابي شيبة، ج: ۱، ص: ۳۷۶) وقال ابن العرکما نی وهذا ايضا سند صحيح

مصل على شرط مسلم، الجوهر النقي على السنن الكبرى للبيهقي، ج: ۲، ص: ۱۶۱) ترجمہ: عبید اللہ بن مقسم حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے۔

۱۸- عن عبيد الله بن مقسم قال: سألت جابر بن عبد الله: اتقرأ خلف الامام في الظهر والعصر شيئاً؟ فقال: لا. (مصنف عبدالرزاق، ج: ۳، ص: ۱۳۱) (سند صحیح) ترجمہ: عبید اللہ بن مقسم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے پوچھا کیا ظہر و عصر میں امام کے پیچھے آپ کچھ پڑھتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا نہیں، (ظہر و عصر کی قید بطور خاص ملحوظ رکھی جائے جس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ سری نمازوں میں بھی مقتدی قرأت نہیں کرتے گا)

## اثر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ

۱۹- عن ابي جمرة قال: قلت لابن عباس، اقرأ والامام بين يدي؟

قال: لا (طحاوی، ج: ۱، ص: ۱۲۹) والجوهر النقي على السنن الكبرى للبيهقي، ج: ۲، ص: ۱۷۰. وذكره العلامة النيموي وقال اسناده حسن آثار السنن، ج: ۱، ص: ۸۹)

ترجمہ: ابو جرہ نصر بن عمران بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے

ﷺ سے کہ کیا امام کے پیچھے قرأت کر سکتا ہوں؟ تو حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا نہیں۔ یہ روایت بھی اپنے اطلاق سے جبری و سری سب نمازوں کو شامل ہوگی

### اثر حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ

۲۰- عن كثير بن مرة عن ابي الدرداء قال قام رجل فقال يا رسول الله افي كل صلاة قرآن؟ قال نعم، فقال رجل من القوم وجب هذا، فقال ابو الدرداء يا كثير وانا الى جنبه لا اري الامام اذا ام الا قد كفاهم“ (رواه الدارقطني، ج: ۱، ص: ۳۳۲) وقال ورواه زيد بن الحباب عن معاوية بن صالح بهذا الاسناد وقال فيه فقال رسول الله ﷺ ما اري الامام الا وقد كفاهم ووهم فيه والصواب انه من قول ابي الدرداء كما قال ابن وهب، وايضا أخرجه مرفوعا وقال هذا عن رسول الله ﷺ خطأ انما وهو قول ابي الدرداء، وايضا رواه الطبراني مرفوعا وحسنه الحافظ الهيثمي مجمع الزوائد، ج: ۱، ص: ۱۸۵)

ترجمہ: کثیر بن مرہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک صاحب (۲) حضرت ﷺ کی مجلس میں) کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہر نماز میں قرأت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! تو حاضرین میں سے ایک صاحب بولے پھر تو قرأت واجب ہو گئی، حضرت ابو درداء کہتے ہیں کہ اے کثیر میں اس کے پہلو ہی میں تھا۔ (میں نے کہا) میرا خیال تو یہی ہے کہ امام جب قوم کی امامت کرتا ہے تو اس کی قرأت مقتدیوں کو کافی ہوتی ہے۔

### اثر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

۲۱- عن ابي نجاد عن سعد قال: وددت ان البدي يقرأ خلف الامام

فی فیہ جمرة (۱)“ مصنف ابن ابی شیبہ، ج: ۱، ص: ۳۷۶ وروی الامام محمد عن بعض ولد سعد بن ابی وقاص انه ذکر ان سعدا قال کذا، موطا، ص: ۱۰۱)

ترجمہ: ابو نجاد بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا بی چاہتا ہے کہ جو امام کے پیچھے قرأت کر رہا ہے اس کے منہ میں انگارہ ہو (کیوں کہ وہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے خلاف کام کر رہا ہے واللہ اعلم)

### اثر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

۲۲- قال: (عبدالرزاق) واخبرني موسى بن عقبة، ان رسول الله ﷺ وابوبكر وعمر وعثمان كانوا يهونون عن القراءة خلف الامام (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۳۹) - وهذا مرسل صحيح وموسى بن عقبة امام في المغازی ثقة ثبت كثير الحديث، وسماع عبدالرزاق عنه ممكن فان موسى قد توفي سنة احدى واربعين ومائة) و عبدالرزاق مولده سنة ست وعشرين ومائة كما في التهذيب ۶ / ۳۱۴) ترجمہ: موسیٰ بن عقبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ، ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتے تھے۔

### آثار حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

۲۳- عن نافع و انس بن سيرين قالا: قال عمر بن الخطاب : تكفيك قراءة الامام“ - (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۶) وسند منقطع ولا يضر عندنا اذا كان الراوي ثقة)

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ، ج: ۱، ص: ۳۷۶ مطبوعہ دار السنن، ۱۳۹۹ھ کے نسخہ میں ابی نجاد بکسر النون والکحیم ہے جب کہ امام بیہقی نے عمدۃ القاری، ج: ۳، ص: ۶۷ میں ابو نجاد بکسر الباء، الموحدة و تخفيف النون ضبط کیا ہے اور محدث موانع محمد حسن فیض پوری رحمہ اللہ نے ابی نجاد بکسر النون، ص: ۳۷۶ میں لکھتے ہیں رجال اسناد ثقات، (۱) حسن الکلام، ص: ۳۹۲)

ترجمہ: نافع اور انس بن سیرین روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تجھے (مقتدی) امام کی قرأت کافی ہے۔

۲۴- عن محمد بن عجلان ان عمر بن الخطاب قال: ليت في لم الذي يقرأ خلف الامام حجراً (موطأ امام محمد، ص: ۱۰۲ وسنده صحيح) ترجمہ: محمد بن عجلان سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے کاش کہ اس کے منہ میں پتھر ہو۔

۲۵- عن قاسم بن محمد قال قال عمر بن الخطاب رضي الله عنه لا يقرأ خلف الامام جهر اولم يجهر (كتاب القراءة للبيهقي، ص: ۱۸۴) ترجمہ: قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے امام بلند آواز سے قرأت کرے یا بلند آواز سے نہ کرے

**اثر حضرت علی و حضرت عمر و حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم**

۲۶- عن محمد بن عجلان قال: قال علي: من قرأ مع الامام فليس على الفطرة، قال: قال ابن مسعود: ملبي قوه ثراباً، قال: وقال عمر بن الخطاب: وددت ان الذي يقرأ خلف الامام في فيه حجر (مصنف عبد الرزاق، ج: ۲، ص: وسنده صحيح مرسل)

ترجمہ: عبد الرزاق بواسطہ داؤد بن قیس، محمد بن عجلان سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے امام کے ساتھ قرأت کی وہ فطرت پر نہیں ہے (اس لیے کہ اس نے قرآن وحدیث کی مخالفت کی) عبد الرزاق نے (اسی سند سے کہا) اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کے منہ میں مٹی بھر دی جائے اور عبد الرزاق نے (یہ بھی) کہا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے میری خواہش ہے کہ اس کے منہ میں پتھر ہو (تاکہ وہ قرأت نہ کر سکے)

**اثر حضرت علی رضی اللہ عنہ**

۲۶- عن ابن ابی لیلی عن علی قال: من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرة (۱) (مصنف ابن ابی شیبہ، ج: ۱، ص: ۳۷۶)

ترجمہ: (عبد الرحمن بن ابی لیلی کے بھائی) عبد اللہ بن ابی لیلی سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس نے فطرت کھودی۔

**اثر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ**

۲۸- عن عبد بن ابی الہذیل ان ابی بن کعب كان يقرأ خلف الامام في الظهر والعصر (مصنف عبد الرزاق، ج: ۲، ص: ۱۳۰)

ترجمہ: عبد اللہ بن ابی ہذیل سے مروی ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ظہر وعصر یعنی سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے۔

تشریح: امام ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ وتخصيصه الظهر والعصر دليل على انه كان لا يقرأ فيما جهر فيه من الصلوات (التمهيد، ج: ۱۱، ص: ۳۶) بطور خاص ظہر وعصر کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابی جبری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔

**اثر حضرت عائشة صدیقة و حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما**

۲۹- (۱) عن ابی صالح عن ابی ہريرة وعائشة انهما كانا يأمران

(۱) وقال العلامة المحدث حبيب الرحمن الاعظمي: وقد حمل التعصب القائلين بالقراءة على تضعيفه بل تكذيبه مع انه روى من عدة طرق عن ابن ابي شيبة عن غيره عن عبد الله بن ابی لیلی، فراجع طرقه في كتاب القراءة وفي هذا الكتاب وعبد الله هذا ليس بمجهول فقمروى عنه غير واحد مصنف عبد الرزاق، ج: ۲، ص: ۱۳۷ تعلیقاً

بالقرأة وراء الامام اذالم يجهر“ (السنن الكبرى، ج: ۲، ص: ۱۷۱)

ترجمہ: ابو صالح ذکوان سے مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ حکم دیتے تھے کہ امام جب جہری قرأت نہ کرے تو اس کے پیچھے قرأت کی جائے۔  
تشریح: اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں حضرات جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہیں تھے۔ امام بیہقی نے ان دونوں اکابر صحابہ کا یہ عمل دو سندوں سے ذکر کیا ہے۔ اور دونوں کی سندیں جید ہیں۔

بغرض اختصار انہیں آثار کے ذکر پر اس باب کو ختم کیا جاتا ہے ورنہ اس سلسلے میں اور آثار بھی پیش کئے جاسکتے ہیں آپ دیکھ رہے ہیں کہ فقہائے صحابہ میں سے حضرت صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی، علی مرتضیٰ، عبد اللہ بن مسعود، زید بن ثابت، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس، سعد بن وقاص، ابی بن کعب، عائشہ صدیقہ، ابو ہریرہ، ابو ذر، رضی اللہ عنہم اجمعین یہ سب حضرات (باستثناء حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابو ہریرہ حضرت ابی بن کعب) مطلقاً قرأت خلف الامام کے قائل نہیں ہیں بلکہ امام شعفی تو بیان کرتے ہیں کہ میں نے ستر ہجری صحابہ رضوان اللہ علیہم کو دیکھا ہے کہ وہ سب امام کے پیچھے مقتدی کو قرأت کرنے سے منع کرتے تھے (روح المعانی، ج: ۲، ص: ۳۵)

اور حافظ بدر الدین عینی اور علامہ علی قاری صراحت کرتے ہیں کہ ان حضرات صحابہ سے امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت کا ثبوت ملتا ہے (عمدة القاری شرح البخاری، ج: ۳، ص: ۷۷ و شرح غایہ، ج: ۱، ص: ۸۳) کو کفی بہم قدوة۔  
لب ذیل میں چند تابعین واجل تابعین کے اقوال و آثار ملاحظہ کیجئے تاکہ ان بزرگوں کا نقطہ نظر بھی مسئلہ زیر بحث کے بارے میں سامنے آجائے۔

آثار تابعین رحمہم اللہ اجمعین

اثر حضرت علقمہ بن قیس متوفی ۶۸ھ

۱- (۱) عن ابراهيم مافراً علقمة بن قيس قط فيما يجهر فيه ولا فيما لا يجهر فيه، ولا في الركعتين الاخيرين ام القرآن ولا غيرها خلف الامام (كتاب الآثار لا امام محمد مع تعليق الاستاذ الشيخ ابو الوفاء الافغانى، ج: ۱، ص: ۱۶۳ وقال المحدث النيموى اسنادہ صحيح) (آثار السنن، ج: ۱، ص: ۹۰ تعليقاً)

ترجمہ: ابراہیم غنیؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علقمہ بن قیس نے امام کے پیچھے کبھی کسی نماز میں قرأت نہیں کی نہ جہری نمازوں میں اور نہ سری میں (نہ پہلی رکعتوں میں) نہ پچھلی رکعتوں میں نہ سورہ فاتحہ اور نہ کوئی اور سورہ۔

۲- (۲) عن ابى اسحاق ان علقمة بن قيس قال: وددت ان الذى يقرأ خلف الامام ملئى قوه، قال: احسبه قال: قرا با اور ضففا“

(مصنف عبد الرزاق، ج: ۲، ص: ۹۰ و اسنادہ صحیح)

ترجمہ: ابو اسحاق روایت کرتے ہیں کہ حضرت علقمہ بن قیسؓ نے فرمایا میری خواہش ہے کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کا منہ بھر دیا جائے، ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ نے فرمایا اس کا منہ مٹی سے یا پتھر سے بھر دیا جائے۔

۳- (۳) عن ابراهيم النخعي عن علقمة بن قيس قال: لان اعرض على جمرة احب الى من ان اقرأ خلف الامام“ (موطأ امام محمد واسنادہ حسن)

ترجمہ: ابراہیم نخعیؓ سے مروی ہے کہ حضرت علقمہ بن قیسؓ نے فرمایا مجھے دانت

سے انگارہ کا کائنات زیادہ پسند ہے اس سے کہ میں امام کے پیچھے قرأت کروں۔  
تشریح: یہ روایتیں صاف بتا رہی ہیں کہ حضرت علامہ جو حضرت عبداللہ بن مسعود  
کے اہم ترین تلامذہ میں ہیں نہ صرف یہ کہ قرأت خلف الامام کے قائل اور اس  
پر عامل نہیں تھے بلکہ وہ قرأت خلف الامام کو حد درجہ ناپسند کرتے تھے۔

## اثر حضرت عمرو بن میمون متوفی ۷۷ھ

### و دیگر تلامذہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

۴- (۱) عن مالک بن عمار (۱) قال سألت لادری کم رجل من  
اصحابہ عبداللہ کلہم یقولون لا یقرأ خلف امام منہم عمرو بن  
میمون، (مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱، ص ۳۷۷)

ترجمہ: مالک بن عمار بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے پیشا  
تلامذہ سے (قرأت خلف امام کے بارے میں) پوچھا تو سب نے یہی جواب دیا کہ امام کے  
پیچھے قرأت نہیں کی جائے گی ان میں عمرو بن میمون خاص طور پر قائل ذکر ہیں۔

۵- (۲) عن ابی اسحاق قال: کان اصحاب عبداللہ لا یقرؤن خلف  
الامام (مصنف عبدالرزاق، ج ۲، ص ۱۴۰ و اسنادہ صحیح)  
ترجمہ: ابو اسحاق سبعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے  
تلامذہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔

تشریح: اس موقع پر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ یہ ”اصحاب عبداللہ“ علمی دنیا میں

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ میں مالک بن عمار ہے جن کے بارے میں علامہ البیہقی لکھتے ہیں ”لم اتف من  
ہو“ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ ابن عمار نہیں بلکہ مالک بن عمار ابو عقیہ الواعی ہیں جن سے اسحق بن ابی  
الانشاء روایت کرتے ہیں اور خود مالک بن عمار حضرت عبداللہ بن مسعود کے تلمیذ ہیں امام ذہبی لکھتے  
ہیں ”صاحب ابن مسعود عقیہ قدیم، میر ان ۱۱۱، عند ال، ج ۳، ص ۵۵۳، مزید تفصیل کے لیے دیکھئے  
تہذیب التبذیب، ج ۱۲، ص ۵۵۲، مکنی، اللہ اعلم بالصواب۔“

اپنے علوم و معارف اور سیرت و کردار کے اعتبار سے اپنی ایک خاص پہچان رکھتے  
تھے چنانچہ حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ جیسا عبقری صحابی رسول جب کوفہ  
تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ان تلامذہ کی علمی عملی سرگرمیوں  
کو دیکھ کر فرمایا ”اصحاب عبداللہ سرج هذه القرية“ (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۳۰)  
عبداللہ بن مسعود کے تلامذہ اس شہر کے روشن چراغ ہیں۔ اور آپ دیکھ  
رہے ہیں کہ یہ روشن چراغ کل کے کل امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔

## اثر حضرت اسود بن یزید متوفی ۷۵ھ

۶- (۱) عن ابراہیم قال: قال الاسود: لان اعرض علی جمرة احب الی ان  
اقر خلف الامام اعلم انه یقرأ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱، ص ۳۷۶، وسندہ صحیح)  
ترجمہ: ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ اسود بن یزید نے فرمایا مجھے دانتوں سے  
انگارہ کا شاس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں امام کے پیچھے قرأت کروں جبکہ  
مجھے معلوم ہے کہ وہ قرأت کرتا ہے۔

۷- (۲) عن دبرہ عن الاسود بن یزید انه قال: وددت ان الذی یقرأ  
خلف الامام ملئی فوہ ترابا (۱) وعن الاعمش عن ابراہیم عن الاسود  
(۱) ہی طرح کے دیگر بعض آثار میں بھی قرأت خلف الامام کرنے والوں کے سلسلے میں سخت الفاظ وارد  
ہوئے ہیں جیسا کہ اگلے صفحات میں ناظرین کے ملاحظہ سے وہ گندہ پکے ہیں۔ ان آثار کا صاف و سیدھا  
مطلب یہی ہے کہ وہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی خلاف ورزی نہ کرنا تو بہتر تھا جو اس خلاف ورزی  
سے بچنے میں اس کو کچھ دنیاوی تکلیف برداشت کرنی پڑتی شاید منہ میں یا انکار سے ہوتے تو اس کی وجہ  
سے وہ امام کے پیچھے قرأت کرنے سے باز رہتا۔

لیکن بایں ہمہ بعض بزرگوں نے ان سخت الفاظ کے پیش نظر صحیح مندوں سے ثابت ان آثار  
پر معنوی اعتبار سے نقد فرماتے ہوئے یہ اسے ظاہر کی ہے کہ اس طرح کا کام اہل علم بالخصوص  
حضرات صحابہ و تابعین کے شایان شان نہیں ہے اس لیے ان آثار کا ثبوت محل نظر ہے۔  
علامہ ابن تیمیہ اس نقد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔  
اس طرح کے آثار لائق لوگوں کے بارے میں ہیں جو امام کی قرأت سن رہے ہوں اور اس کے  
باوجود اپنی قرأت جاری رکھنے ہوئے ہوں یہ حضرات ان لوگوں کے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مثله. (مصنف ابن ابی شیبہ، ج: ۱، ص: ۳۷۷ ورواۃ ثقات ورواہ عبد الرزاق فی مصنفه عن ابراهيم عن الاسود مثله (ج: ۲، ص: ۱۳۸) ترجمہ: دبرہ بن عبد الرحمن اور ابراہیم بخلی دونوں حضرت اسود بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میری خواہش ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کا منہ مٹی سے بھر دیا جائے۔

### اثر حضرت سوید بن غفلۃؓ متوفی ۸۱ھ

۸- (۱) عن الولید بن قیس قال: سألت سوید بن غفلۃ اقرا خلف الامام فی الظہر والعصر؟ فقال: لا (مصنف ابن ابی شیبہ، ج: ۱، ص: ۳۷۷) ترجمہ: ولید بن قیس روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سوید بن غفلۃؓ سے پوچھا کیا میں ظہر و عصر میں امام کے پیچھے قرأت کر سکتا ہوں؟ تو فرمایا نہیں۔ تشریح: سائل ولید بن قیس کو دیگر جہری نمازوں کے بارے میں مظلوم تھا کہ ان میں امام کے پیچھے قرأت کرنی درست نہیں ہے البتہ ظہر و عصر جو سری نمازیں ہیں ان کے بارے میں تردد تھا کہ ان نمازوں میں مقتدی کی قرأت کا کیا حکم ہے اس لیے حضرت سوید سے دریافت کیا تو انہوں نے مسئلہ صاف (بقیہ: گذشتہ صفحہ کا) مثل ہیں جن کے بارے میں آنحضور ﷺ "مالی انازع القرآن" یا علمت ان بعضکم خالجنہا" فرمایا ہے۔

اس لیے اگر کسی کی تحقیق یا اعتقاد یہ ہو کہ امام کی قرأت سننے کے وقت مقتدی کا خود قرأت کرنا اللہ اور اس کے رسول کی معصیت ہے اور ایسا کرنے والا نبی خداوندی کا مرتکب ہے تو اس کے بارے میں یہ کہنا درست ہے کہ اس کے منہ میں کوئی ایسی تکلیف ہو جاتی جس سے وہ معصیت سے محفوظ ہو جاتا، کیوں کہ جتنا اسے معصیت ہو تا مٹلائے معصیت ہونے سے آسان اور کمتر ہے، یہ بالکل اسی طرح کی بات ہے جیسے گلہ حرام زبان سے ادا کرنے والے کے بارے میں کہہ دیا جائے "لو كنت احسن لكان خير لك" اگر تم کو گتے ہوتے تو تمہارے لیے اس سے بہتر تھا۔۔۔ پھر ان آمار میں لعنت یا تعذیب نہیں ہے صرف اس کی خواہش کا اظہار ہے کہ یہ ایسی چیز میں جتا ہو جاتا جو اس کو گناہ کے ارتکاب سے روک دیتی، اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ عملاً سزا دینے اور سزا کی خواہش میں فرق ہے (مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ج: ۲۳، ص: ۳۰۲)

کر دیا کہ سری نمازوں میں بھی مقتدی کو قرأت نہیں کرنی چاہیے۔

### اثر حضرت ابو وائل شقیق بن سلمہ متوفی ۸۲ھ

۹- عن عمرو بن مرة عن ابی وائل قال: تكفیک قراءة الامام (مصنف ابن ابی شیبہ، ج: ۱، ص: ۳۷۷) ورجال اسنادہ رجال الجماعة) ترجمہ: عمرو بن مرة حضرت ابو وائل شقیق بن سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تجھے امام کی قرأت کافی ہے۔

### اثر حضرت سعید بن جبیرؓ متوفی ۹۲ھ

۱۰- (۱) عن ابی بشر عن سعید بن جبیر قال: سألتہ عن القراءة خلف الامام؟ قال: ليس خلف الامام قراءة (مصنف ابن ابی شیبہ، ج: ۱، ص: ۳۷۷) وقال المحدث النيمی رواه كلهم ثقات (آثار السلف، ج: ۱، ص: ۹۰ تعلیقاً) ترجمہ: ابو بشر روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن جبیر سے امام کے پیچھے قرأت کے بارے میں پوچھا؟ تو فرمایا کہ امام کے پیچھے بالکل قرأت نہیں ہے۔

### اثر حضرت سعید بن المسیبؓ متوفی ۹۲ھ

۱۱- عن قتادة عن سعید بن المسیب قال: انصت للامام (مصنف ابن ابی شیبہ، ج: ۱، ص: ۳۷۷) وقال المحدث النيمی اسنادہ صحیح) ترجمہ: قتادہ حضرت سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ سعید بن المسیب نے فرمایا امام کے پیچھے خاموش رہو (یعنی قرأت نہ کرو کیوں کہ آہستہ قرأت کرنا بھی انصاف و خاموشی کے خلاف ہے جیسا کہ اگلے صفحات میں اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

### اثر حضرت عروہ بن زبیر متوفی ۹۲ھ

۱۲- عن هشام بن عروة عن ابيه انه كان يقرأ خلف الامام فيما لا



يجهر فيه الامام بالقراءة (موطا امام مالك، ص: ۲۹۰ صحيح على شرط الشيخين)  
ترجمہ: ہشام بن عروہ اپنے والد حضرت عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ  
وہ امام کے پیچھے صرف ان نمازوں میں قرأت کرتے تھے جن میں امام، بلند آواز  
سے قرأت نہیں کرتا۔

تشریح: یہ اثر جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے کے بارے میں  
بالکل واضح اور صاف ہے۔

### اثر حضرت ابراہیم نخعی متوفی ۹۶ھ

۱۳- عن مغيرة عن ابراهيم انه كان يكره القراءة خلف الامام وكان  
يقول تكفيك قراءة الامام (مصنف ابن ابي شيبة، ج: ۱، ص: ۳۷۷، رجاله ثقات)  
ترجمہ: مغیرہ بن مقسم الغنمی حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم  
امام کے پیچھے قرأت ناپسند کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے امام کی قرأت کافی ہے۔

۱۴- عن اكييل عن ابراهيم قال: الذي يقرأ خلف الامام شاق.  
(مصنف ابن ابي شيبة، ج: ۱، ص: ۳۷۷، رجاله ثقات)  
ترجمہ: اکیل (مؤذن ابراہیم نخعی) حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کرتے کہ  
انہوں نے فرمایا جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے وہ مخالفت کرنے والا ہے یعنی  
قرآن و حدیث کے حکم کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔

### اثر حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما الخطاب متوفی ۱۰۶ھ

۱۵- عن الزهري عن سالم بن عبد الله قال: يكفيك قراءة الامام  
فيما يجهر في الصلوة الحديث (مصنف عبد الرزاق، ج: ۲، ص: ۱۳۹، رجال  
سند رجال الجماعة)

ترجمہ: امام زہری حضرت سالم بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے  
فرمایا امام جن نمازوں میں جہر سے قرأت کرتا ہے مجھے اس کی قرأت کافی

ہے۔ یعنی مقتدی کو قرأت کرنے کی ضرورت نہیں۔

### اثر حضرت قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق متوفی ۱۰۷ھ

۱۶- عن ربيعة بن ابي عبد الرحمن ان القاسم بن محمد كان يقرأ خلف  
الامام فيما لا يجهر فيه الامام بالقراءة (موطا امام مالك، ص: ۲۹۰)

ترجمہ: امام ربیعہ الراعی سے مروی ہے کہ حضرت قاسم بن محمد امام کے پیچھے ان  
نمازوں میں قرأت کرتے تھے جن میں وہ جہری قرأت نہیں کرتا تھا یعنی جہری نمازوں  
میں قرأت نہیں کرتے تھے صرف سری میں امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے۔

### ۱۷- اثر حضرت محمد بن سیرین متوفی ۱۱۰ھ

۱۷- الثقفی عن ايوب عن محمد قال: لا اعلم القراءة خلف الامام من  
السنة (العلیق الحسن علی آثار السنن، ج: ۱، ص: ۹۰، مصنف ابن ابي شيبة، ج: ۱، ص: ۳۷۷)  
ترجمہ: عبد الوہاب الثقفی بواسطہ ایوب سختیانی حضرت محمد بن سیرین سے روایت کرتے  
ہیں کہ آپ نے فرمایا میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کو سنت نہیں جانتا یعنی دین  
اسلام میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کا طریقہ رائج ہو یہ مجھے معلوم نہیں۔

### اثر حضرت امام زہری متوفی ۱۲۴ھ

۱۸- عن معمر عن الزهري قال: اذا جهر الامام فلا تقرا شيئا.  
(مصنف عبد الرزاق، ج: ۲، ص: ۱۳۲-۱۳۳، سند صحيح)

ترجمہ: معمر حضرت امام زہری سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب امام  
بلند آواز سے قرأت کرے تو تم اس کے پیچھے کچھ بھی نہ پڑھو۔

تشریح: یہ صحیح السناد اثر اپنے معنی میں نہایت واضح اور صاف ہے کہ امام زہری جہری  
نمازوں میں قرأت خلف الامام کو جائز نہیں سمجھتے اسی لیے اس سے منع کر رہے ہیں۔

آپ کے پیش نظر یہ آثار و اقوال ان کبار ائمہ حدیث و فقہ کے باقیات  
صالحات اور قرآن و حدیث سے مانور علوم و تحقیقات ہیں جو ان اکابر اور سلف

صالحین کو حضرات صحابہ کی بابرکت اور فیاض صحبت سے حاصل ہوئے ہیں جن سے صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ ان بزرگوں میں سے اکثر کے نزدیک کسی بھی نماز میں اور بعض حضرات کے نزدیک صرف جہری نمازوں میں مقتدی کے لیے قرأت کرنی جائز و پسندیدہ نہیں ہے چنانچہ سید المحدثین امام اہل سنت احمد ابن حنبل علم و یقین کی بھرپور طاقت کے ساتھ فرماتے ہیں۔

”مامسنا احدا من اهل الاسلام يقول ان الامام اذا جهر بالقراءة لا تجزى صلوة من خلفه اذالم يقرأ وقال هذا النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه والتابعون وهذا مالك في اهل الحجاز وهذا الثوري في اهل العراق وهذا الازداعي في اهل الشام وهذا الليث في اهل مصر ما قالوا الرجل صلى وقرأ امامه ولم يقرأ هو صلوته باطله“ (المعنى لموفق الدين ابن قدامة: ج ۱، ص ۳۳۰، الدر المنثور ۱۶۰۰)

ہم نے علمائے اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے نہیں سنا کہ امام کی جہری قرأت کے وقت اس کے پیچھے جو قرأت نہ کرے تو اس کی نماز صحیح نہیں اور امام احمد نے فرمایا یہ ہیں رسول اللہ ﷺ، اور یہ ہیں آپ کے صحابہ اور ان کے تابعین، اور یہ ہیں اہل حجاز میں امام مالک، اور اہل عراق میں امام ثوری، اور اہل شام میں امام لوزاعی اور اہل مصر میں امام لیث، کسی نے بھی یہ بات نہیں کہی کہ جو شخص امام کے پیچھے نماز ادا کرے اور اس کے امام نے قرأت کی اور اس مقتدی نے قرأت نہیں کی تو اس کی نماز باطل ہے۔

امام المحدثین سیدنا احمد بن حنبل کی اس عبارت کو پڑھئے اور فیصلہ کیجئے کہ آج کل جو کچھ لوگ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے والوں کی نماز صحیح نہیں ہوئی انکے اس پروپیگنڈہ کی دلائل و براہین کی دنیا میں کیا حیثیت ہے۔ کیا یہ لوگ امام احمد علیہ الرحمہ کی اس تحقیق کے اعتبار سے رسول خدا (ﷺ) آپ کے صحابہ، حضرات تابعین اور عالم اسلام کے ائمہ مجتہدین کے بالمقابل ایک ایسی بات نہیں کہہ رہے ہیں جو تیسری صدی ہجری کے وسط تک بقول امام احمد سنی نہیں گئی۔

قرآن حکیم، احادیث رسول، آثار صحابہ و تابعین کے بعد ذیل میں فقہائے مجتہدین و اکابر محدثین کے مذاہب ملاحظہ کیجئے۔ جو درحقیقت قرآن و حدیث اور اقوال صحابہ ہی سے ماخوذ شرعی احکام ہیں ان بزرگوں نے (جن کی علمی جلالت شان اور تقویٰ و خشیت الہی اور امت مسلمہ کی خیر خواہی مسلمات میں سے ہے) ان نصوص سے اصول و ضوابط کی رہنمائی میں جو کچھ سمجھا ہے اسے اپنے الفاظ میں امت کے سامنے پیش کر دیا ہے تاکہ انہیں شریعت پر عمل کرنے میں سہولت و آسانی ہو اس لیے کہ براہ راست نصوص سے احکام و مسائل کا سمجھنا شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس لیے یہ حضرات بلاشبہ امت کے محسن ہیں۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء۔

قرأت خلف الامام اور مذاہب ائمہ مجتہدین و اکابر محدثین

امام اعظم ابو حنیفہؒ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کا مذہب امام ابو حنیفہؒ سری و جہری کسی بھی نماز میں امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہیں ہیں چنانچہ امام صاحب کے نامور شاگرد امام محمد بن جن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ اپنی مشہور کتاب موطا امام محمد میں لکھتے ہیں۔

قال محمد: لا قراءة خلف الامام فيما يجهر فيه ولا فيما لم يجهر بذلك جاءت عامة الآثار وهو قول ابی حنیفہ (ص ۹۶-۹۷) ترجمہ: امام کے پیچھے مطلقاً قرأت نہیں ان نمازوں میں بھی جن میں امام قرأت جہر سے کرتا ہے اور ان میں بھی جن میں وہ قرأت آہستہ کرتا ہے اسی حکم پر عام آثار دلالت کرتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول و مذہب ہے۔

اسی طرح اپنی دوسری مشہور تالیف ”کتاب الآثار“ میں امام ابو حنیفہؒ کی سند سے حدیث رسول اللہ ﷺ ”من صلى خلف امام فان قراءة الامام له قراءة“ جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت (کے حکم میں) ہے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔



پھر امام کے جبر کرنا کوئی معنی ہی نہیں اس لیے کہ امام بلند آواز سے قرأت اسی لیے کرتا ہے کہ وہ توجہ سے سنی جائے اور خاموش رہا جائے اور استماع وانصات کے اس حکم میں سورۃ فاتحہ اور دیگر سورتیں سب یکساں ہیں۔ اسی مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے آگے یہ لکھتے ہیں:

ثم اختلف هؤلاء في وجوب القراءة ههنا اذا اسر الامام، فذهب اكثر اصحاب مالك الى ان القراءة عندهم خلف الامام فيما اسر به الامام سنة، ولا شيء على من تركها الا انه اساء، وكذلك قال: جعفر الطبري قال: القراءة فيما اسر فيه الامام سنة مؤكدة ولا تفسد صلوة من تركها وقد اساء.

وذكر خواز منداد: ان القراءة عند اصحاب مالك خلف الامام فيما اسر فيه بالقراءة مستحبة غير واجبة وكذلك قال الابهری، واليه اشار اسماعيل بن اسحاق. (التمهيد ج: ۱۱، ص: ۵۳-۵۴)

ترجمہ: (پھر وہ علماء جو سری نمازوں میں مقتدی کی قرأت کے قائل ہیں) اس کے وجوب (اور عدم وجوب) میں مختلف الرائے ہو گئے اکثر مالکیہ کا یہ مذہب ہے کہ جن نمازوں میں امام آہستہ قرأت کرتا ہے ان میں مقتدی کا قرأت کرنا سنت ہے۔ اور بعض قرأت چھوڑ دے اس پر کچھ لازم نہیں البتہ اس نے قرأت چھوڑ کر برا کیا۔ مشہور امام حدیث اور فقیہ مجتہد امام طبری کا بھی یہی مذہب ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ جن نمازوں میں امام آہستہ قرأت کرتا ہے ان میں مقتدی کا قرأت کرنا سنت مؤکدہ ہے اور جو مقتدی اس حالت میں قرأت چھوڑ دے اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی البتہ اس نے کوتاہی کی۔

اور مالکی فقیہ خواز منداد نے ذکر کیا ہے کہ امام مالک کے اصحاب کے نزدیک سری نمازوں میں مقتدی کا قرأت کرنا مستحب، غیر واجب ہے یہی بات امام ابہری نے بھی کہی ہے اور اسی کی جانب تاحضی اسماعیل بن اسحاق نے بھی اشارہ کیا ہے۔

ان تصریحات سے یہ بات بالکل صاف طور پر سامنے آگئی کہ امام مالک اور ان کے اکثر مقلدین کے نزدیک جبری نمازوں میں مقتدی کا قرأت کرنا جائز نہیں اور سری

نمازوں میں بھی اس پر قرأت کرنی واجب اور ضروری نہیں البتہ بہتر و پسندیدہ ہے۔

## حضرت امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا مذہب

امام شافعی کا مذہب جو حضرات شوافع کی معتبر و معتمد کتابوں میں منقول ہے وہ یہ ہے کہ سری و جبری سب نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدی پر سورۃ فاتحہ کی قرأت واجب ہے، چنانچہ شرح مہذب میں یہ تصریح موجود ہے۔ ان مذہبنا وجوب قراءة الفاتحة على المأموم في كل الركعات من الصلوة السرية والجهرية هذا هو الصحيح عندنا۔ ہمارا (یعنی شوافع کا) مذہب یہ ہے کہ مقتدی پر سورۃ فاتحہ کی قرأت جبری دوسری سب نمازوں کی ہر رکعت میں واجب ہے، ہمارے نزدیک یہی مذہب صحیح ہے۔

حضرات شوافع کا عام طور پر یہی عمل ہے اور دیگر علماء بھی ان کا یہی مذہب و مسلک نقل کرتے ہیں چنانچہ امام شافعی کے بیک واسطہ شاگرد امام طحاوی اختلاف العلماء میں لکھتے ہیں۔

وقال الشافعي: يقرأ فيما جهر وفيما اسر في رواية المزني، وفي البيهقي انه يقرأ فيما اسر بام القرآن وسورة في الاولين، وام القرآن في الآخرين، وما جهر فيه الامام لا يقرأ من خلفه الابام القرآن (مختصر اختلاف العلماء ج: ۱، ص: ۲۰۵)

ترجمہ: امام شافعی نے فرمایا کہ مقتدی سری اور جبری نمازوں میں قرأت کرے یہ امام مزنی تلمیذ امام شافعی کی روایت ہے، اور امام شافعی کے دوسرے شاگرد ابو یطی "یوسف بن یحییٰ" کی روایت میں یہ ہے کہ مقتدی سری نمازوں میں سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورۃ پہلی دونوں رکعتوں میں پڑھے اور آخری رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھے۔ اور جن نمازوں میں امام جبری قرأت کرتا ہے ان میں امام کے پیچھے فقط سورۃ فاتحہ پڑھے۔

امام طحاوی کی اس عبارت سے یہ واضح نہیں ہو رہا ہے کہ مقتدی پر یہ قرأت واجب ہے یا غیر واجب۔

امام شافعی کے مذہب کے بارے میں علماء شوافع اور دیگر عام علماء کی ان تصریحات کے برخلاف خود امام شافعی کی اپنی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک امام اور منفرد ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب اور ضروری ہے اس کے بغیر نماز صحیح نہ ہوگی اور سورۃ فاتحہ کے ساتھ کسی اور سورۃ کا پڑھنا مستحب اور پسندیدہ ہے اور مقتدی کا حکم اس کے علاوہ ہے چنانچہ امام شافعی اپنی مشہور مگر انقدر تصنیف کتاب الامام میں لکھتے ہیں۔

فواجب علی من صلی منفردا او اماما ان یقرأ بام القرآن فی کل رکعة لا یجزئہ غیرہا، و احب ان یقرأ معها شینا آية او اکثر، وسا ذکر المأموم انشاء الله تعالیٰ (ج: ۱ ص: ۹۳)

ترجمہ: منفرد اور امام پر واجب ہے کہ وہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھے، سورۃ فاتحہ کی جگہ کوئی اور سورت کفایت نہیں کر سکتی۔ اور مجھے یہ بھی پسند ہے کہ سورۃ فاتحہ کے ساتھ قرآن میں سے کچھ اور بھی پڑھیں خواہ ایک آیت یا اس سے زیادہ اور میں مقتدی کا حکم آگے بیان کروں گا انشاء اللہ۔

حضرت امام شافعی اس عبارت میں بالکل واضح الفاظ میں بیان فرماتے ہیں کہ منفرد اور امام کا فریضہ یہ ہے کہ وہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھیں۔ اور اسی کیساتھ یہ بھی صاف لفظوں میں لکھ رہے ہیں کہ مقتدی کا حکم میں آئندہ بیان کروں گا جس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ لنگے نزدیک مقتدی کا حکم اسکے علاوہ کچھ اور ہے۔ چنانچہ وعدہ کے مطابق اسی کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں

ونحن نقول: کل صلاة صلیت خلف الامام او الامام یقرأ قراءۃ لا یسمع فیہا قراءتہا“ (کتاب الام، ج: ۱ ص: ۱۶۶)

ترجمہ: اور ہم کہتے ہیں کہ ہر وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے اور امام ایسی قرأت کر رہا ہے جو سنی نہ جانی ہو، مقتدی اس میں قرأت کرے۔

امام موصوف کے یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ لنگے نزدیک مقتدی امام کے پیچھے صرف انہیں نمازوں میں قرأت کرے گا جن میں امام کی قرأت سنی نہیں جانی، یعنی سری نمازوں میں قرأت کرے گا اور جبری نمازوں میں نہیں۔

حضرت امام شافعی کی اس تصریح کے پیش نظر ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرات شوافع کے یہاں اس مسئلہ میں تشدد امام موصوف کے بعد آیا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

## حضرت امام احمد بن حنبل کا مذہب

مسئلہ حنبلی کے مشہور محقق فقیر و محدث موفق الدین ابن قدامہ مسئلہ زیر بحث میں امام احمد کے مذہب کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وجملۃ ذلك ان المأموم اذا كان یسمع قراءۃ الامام لم تجب علیہ القراءۃ ولا تستحب عند امامنا الخ (المغنی ج: ۱ ص: ۳۲۹)

اس مسئلہ میں حاصل کلام یہ ہے کہ مقتدی جب امام کی قرأت سن رہا ہو تو اس پر قرأت کرنی واجب نہیں بلکہ ہمارے امام (امام احمد) کے نزدیک مستحب و بہتر بھی نہیں۔

اور امام تیمیہ تو لکھتے ہیں کہ جبری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کو امام احمد خلاف اجماع اور شاذ فرماتے تھے چنانچہ تنوع العبادات میں امام موصوف لکھتے ہیں۔

”بغلاف وجوبہا فی حال الجہر لانه شاذ حتی نقل احمد الاجماع علی خلافہ“ (ص: ۸۷) حالت جبر میں سورۃ فاتحہ کا امام کے پیچھے بطور وجوب کے پڑھنا شاذ ہے حتیٰ کہ امام احمد نے اس کے خلاف اجماع نقل کیا ہے۔

امام ابن قدامہ نے بھی جبری نمازوں میں مقتدی کے عدم قرأت پر یہ اجماع نقل کیا ہے دیکھئے المغنی ج: ۱ ص: ۳۳۰۔

ائمہ مذاہب اربعہ کی ان تفصیلات سے بھی یہ بات روز روشن کی طرح آشکار ہو گئی کہ بشمول امام شافعی، چاروں ائمہ متبوعین کے نزدیک جبری نماز میں مقتدی کے لیے قرأت کرنی خلاف اولیٰ اور درست نہیں ہے۔

کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، حضرات صحابہ و تابعین و ائمہ متبوعین اور اکابر محدثین کی یہ تصریحات آپ کے سامنے ہیں۔

۱- احکم الحاکمین کا وجوبی حکم ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی جانب کان لگائے رہو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

۲- رسول رب العالمین امام کے پیچھے قرأت کرنے کو منازعت و مخالفت فرما رہے ہیں۔ اور صاف لفظوں میں حکم دے رہے ہیں کہ امام جب قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

۳- رسول خدا ﷺ نے امت کو جو آخری نماز پڑھائی اس میں آپ نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھا۔ (تفصیل گزر چکی ہے) آپ کا یہ آخری عمل اس بات کی بین دلیل ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر نماز ادا ہو جاتی ہے۔

۴- خلفائے راشدین امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتے تھے۔

۵- فقہائے صحابہ میں سے اکثر حضرات سے ثابت ہے کہ وہ قرأت خلف الامام کو پسند نہیں کرتے تھے اور لوگوں کو اس سے منع کرتے تھے۔

۶- حضرات تابعین بھی امام کے پیچھے قرأت کو پسند نہیں کرتے تھے۔

۷- ائمہ متبوعین امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ جہری نمازوں میں مقتدی کی قرأت کو درست نہیں سمجھتے۔ غرضیکہ امت کا سواد اعظم، اسلام کے عہد آغاز سے آج تک اسی پر عمل پیرا ہے۔

تفصیلات گزر چکی ہیں۔ لیکن ان سب کے دبا وجود کچھ لوگ کہتے ہیں کہ۔

۱- سورۃ فاتحہ کے بغیر منفرد ہو یا مقتدی کسی کی نماز نہیں ہوتی۔

۲- جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے کالعدم ہے بیکار ہے باطل ہے اور اپنے اس خلاف اجماع و شاذ عمل کی تبلیغ و ترویج میں اس طرح کوشاں ہیں گویا ان کے نزدیک دین کی سب سے بڑی خدمت اس وقت یہی ہے۔ اور اپنے اس رویہ سے مسلمانوں میں انتشار

و اختلاف پیدا کر رہے ہیں فال اللہ المشتکی۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی

خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔